MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاہور

جلد نمبر 26

شمارہ نمبر 03

جولائی 2025ء، محرم الحرام 1447ھ

WWW.MIRRAT.COM

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نمبر

سیدنا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

”یہ دونوں (سیدنا حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہ) میرے دنیا کے دو پھول ہیں،
جو مجھ سے محبت رکھتا ہے، وہ ان دونوں سے محبت کرے“۔

(مسند ابی یعلی، سیر اعلام النبلاء)

واقعۂ کربلا ہمیں سکھاتا ہے کہ حق پر ثابت قدم رہنا، ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا اور دین کے اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرنا ہی اصل زندگی ہے۔ اگر قومیں چاہتی ہیں کہ وہ عزت، بقاء اور سربلندی کی حامل ہوں تو انہیں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح صداقت، دیانت اور قربانی کے راستے کو اختیار کرنا ہوگا۔

جیسا کہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

زندہ حق از قوت شبیری رضی اللہ عنہ است
باطل آخر داغ حسرت میری است

”قوتِ شبیری سے ہی آج تک حق زندہ ہے اور باطل کے مقدر میں پس حسرت و ناکامی ہی ہے“۔ (رموزِ بیخودی)

A Public Awareness Message

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فیضانِ نظر

سُلطان الفقر حضرت سخی سُلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

مسلسل اشاعت کا چھبیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماھنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل لاھور

جولائی 2025ء، محرم الحرام 1447ھ

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ: سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ ● مفتی محمد شیر القادری ● افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر: ● محمد احمد رضا ● واصف علی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نمبر		
	Editorial		
2	دستک		4
	Introduction		
3	سیّدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	5
	Political Theory		
4	سانحۂ کربلا کا ذمہ دار حکمران تھا یا اس کے ماتحت؟ (علم سیاسیات سے ایک مطالعہ)	ادارہ	8
	Cognitive Approach		
5	حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا اقدامِ حریت: فقہی وادراکی تجزیہ	محمد ذیشان دانش	16
	Post Colonial Studies		
6	اہلِ سنت میں امام حسنؓ و امام حسینؓ کا مقام: مختلف تاریخی ادوار کا مختصر مطالعہ	باسط ضیاء شیخ	21
	Legal Context		
7	حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی برحق جدوجہد اور ریاستِ پاکستان (ایک قانونی مطالعہ)	آصف تنویر اعوان ایڈووکیٹ	25
	Leadership Paradigm		
8	تصوراتِ قیادت میں قائد کے اوصاف اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ)	بابر جان خوازی خیل	32
	Lessons for the Era of Technology		
9	ڈیجیٹل غلامی اور حسینی آزادی: جدید انسان کے لئے ایک نیا درس	ڈاکٹر عبد الباسط	37
	Quranic Perspective		
10	مودتِ اہل بیت: ایک عظیم دینی فریضہ	صاحبزادہ سلطان احمد علی	41
	Sufi Framework		
11	شیخ الاکبر ابن العربی اور اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم)	مفتی محمد شیر القادری	46
	Devotional Ode		
12	مدحتِ سید الشہداء امام حسین (رضی اللہ عنہ)	ڈاکٹر عظمیٰ زرین نازیہ	49
13	نذرانۂ عقیدت دربارگاہِ سید الشہداء امام حسین (رضی اللہ عنہ)	مستحسن رضا جامی	49

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
80 روپے	110 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 960 روپے	سالانہ (ممبرشپ) 1320 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-1275009

برائے خط و کتابت ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندروڈ، لاہور سے چھپوا کر 8-BS-698 تاج کمپنی چوک نزد ایم سی بی چوہان روڈ بندروڈ لاہور سے شائع کیا

اللّٰہ

"اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا"

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔

(الاحزاب:33)

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت حسن اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: جس نے مجھ سے، ان دونوں سے اور ان دونوں کے ماں باپ سے محبت کی تو وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں میرے ساتھ ہو گا"۔

(سنن الترمذی، کتاب المناقب)

سرِّ ربانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین
سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رضی اللہ عنہ)
فرمان

"عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کی قرابت والے کون ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "فاطمہ، علی اور ان دونوں کے صاحبزادے (رضی اللہ عنہم)"۔اس پر تمہارے لیے بحیثیت شہادت یہ بات کافی ہے کہ (ان نفوس قدسیہ سے) ایسے ائمہ کرام کا تشریف لانا ہے جو حق و توحید کے راستہ میں اکابر اولوالعزم میں سے ہیں ان پر اور ان کے خلفاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوۃ و سلام نازل ہو جو ایک نسل کے بعد دوسری نسل سے آتے رہے۔جو شخص آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متابعت اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہل بیت کی اتباع میں کوئی دینی و حقیقی نیکی کماتا ہے ہم اس کیلئے اس میں یعنی اس پر مرتب ہونے والی اخروی زندگی کے کمالات میں زیادہ حسن بڑھائیں گے جو ہماری طرف سے فضل و احسان ہو گا۔ بے شک اللہ عزوجل اپنے حبیب مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) سے محبت کرنے والوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے۔(تفسیر جیلانی)

سلطان العارفین
حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ)
فرمان

جے کر دین علم وچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھو
اٹھارہ ہزار جو عالم آہا اوہ اگے حسین دے مردے ھو
جے کجھ ملاحظہ سرور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دا کر دے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو
جیکر مندے بیعت رسولی تاں پانی کیوں بندے کر دے ھو
پر صادق دین تنہاں دے باھو جو سر قربانی کر دے ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ)

ایمان، اتحاد، تنظیم

"دنیا کی (اُس وقت کی) تمام ممکنہ پابندیاں اُن (حضرت امام حسینؓ) پہ اور اُن کے پیروکاروں پر عائد کی گئیں، لیکن انہوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بڑے پیمانے پر قتل و غارت کا سامنا کیا۔ یہ ایک اخلاقی فتح تھی جس کیلئے انہوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں"۔

(علی یاور جنگ کو قائد اعظم کا انٹرویو، 4 اگست، 1947ء)

فرمانِ علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبّیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی
قافلہء حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

(بالِ جبریل)

سید الشہداء امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور عصرِ حاضر

ہم ایک ایسے ہنگامہ خیز زمانے میں جی رہے ہیں جہاں سچ بولنا دیوانگی، اصولوں پر ڈٹ جانا کم عقلی اور طاقت کو ہی "حق" سمجھا جاتا ہے۔ تہذیبوں کی بقا زندہ ضمیر سے مشروط ہے اور جب ضمیر سلانے کی کوشش کی جائے تو کربلا سے اٹھنے والی صدا "مثلی لا یبایع مثلہ" (مجھ جیسا شخص کبھی یزید جیسے کی بیعت نہ کرے گا) وقت کی گردن پر بجلی بن کر گرتی ہے۔ یہ اعلان یاد دلاتا ہے کہ جھک جانا زندگی نہیں، بلکہ اٹھ کھڑے ہونا اصل زندگی ہے۔ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا نام یقین اور مسلسل بیداری کا استعارہ ہے جو ہر دور کے یزیدی نظام پر دائمی عدمِ اعتماد کی مہر توانا ہاتھوں سے ثبت کرتا ہے۔

امامت صرف محراب کی حد تک محدود نہیں، بلکہ کردار کا چراغ ہے جو شبِ ظلمت میں راستہ روشن کرتا ہے۔ امام حسین (رضی اللہ عنہ) اسی امامت کے وہ مینار ہیں جنہوں نے طاقت کو فانی، اصول کو باقی اور سچائی کو کسوٹی بنا دیا۔ آپؓ کا مؤقف وقتی سیاست سے نہیں، روشن ضمیری، حق اور عدل سے بندھا تھا۔

واقعہ کربلا کو صرف تاریخی سانحہ سمجھنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے پیغام کو محدود کرنا ہے۔ یہ مظلوم و ظالم کے مابین دائمی فکری جنگ ہے۔ آج کے "یزید" تلواروں کی بجائے میڈیا کی زبان، اسٹاک ایکسچینج اور منافرت کے ہیش ٹیگ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ مگر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا چراغ ہر اس اندھیرے کو چیر دیتا ہے جہاں ضمیر سسکنے لگے اور سچائی دم توڑنے لگے۔

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے قافلے میں صرف 72 رفقا تھے، مگر صدیاں بیت گئیں، یزید کتابوں میں رہ گیا اور حسینؓ دلوں میں۔ یہ بقا اصول اور استقامت سے ملی۔ یہی سبق نئی نسلوں کو سکھانا ہماری ذمہ داری ہے۔ اگر ہم سچ سے گریزاں رہیں گے تو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی میراث کے وارث نہیں بن سکتے۔ اُن کی سب سے بڑی عطا حریتِ فکر ہے۔ سچائی کی راہ تنہا اور پرخار ہو سکتی ہے، مگر وہی دائمی ہے۔ وقت کی دھول سچ کو ڈھانپ بھی دے، اصول پھر بھی معیارِ صداقت رہتے ہیں۔

یزیدیت صرف بت شکنی سے انکار یا کھلے کفر کا نام نہیں؛ بلکہ یہ وہ نظام ہے جو عدل کا گلا گھونٹے، بیت المال کو عیش پرستی پر لُٹائے اور دین کو اقتدار کا اوزار بنائے۔ وہ زبان سے اسلام کا نام بھی لے اور عمل سے دھوکہ بھی دے۔ حسینیت بر عکس ہے: عدل، دیانت، حریّت اور استقامت کا تصور۔ حسینیت کا تقاضا ہے کہ جہاں بھی ظلم کا چہرہ نظر آئے، حسینی عزم کے ساتھ اس نقاب کو چاک کیا جائے اور صلہ صرف خدا سے طلب کیا جائے۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا پہلا پیغام عملی جدوجہد ہے۔ اُنہوں نے جسم و جاں کی قربانی دے کر اعلان کیا کہ جبر کے ساتھ سمجھوتا حق تلفی ہے۔ اُن کا انکار ہمیں یاد دلاتا ہے کہ طاقتور ظالم بظاہر جیت کر بھی تاریخ میں شکست خوردہ رہتا ہے، جبکہ اصول پر قربان ہونے والا ابد تک زندہ رہتا ہے۔ رسمِ شبیری ہم سے رسمی آنسو نہیں، بیدار مغزی اور کردار کی استقامت چاہتی ہے۔

یہ سوال ہر محرم میں خود سے پوچھیے: کیا میں اپنے دور کے یزید کو پہچانتا ہوں؟ میرا قلم، میری آواز، میرا لائک اور میرا شیئر کس صف میں ہے؟ کیا میں مفاد کے ساتھ کھڑا ہوں یا مظلوم کے؟ اگر میں خاموش ہوں تو کیا میں بھی جبر کے تمدن کا حصہ تو نہیں؟

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا فلسفۂ شہادت صرف مسلمانوں کیلئے نہیں، پوری انسانیت کے لیے دستورِ حیات ہے۔ باطل چاہے کتنا ہی طاقتور ہو، حق کا عَلم سرنگوں نہیں ہوتا۔ اسی لیے آج، ڈیڑھ ہزار برس بعد، علمی و تحقیقی سطح پر بھی حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی ذات رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ نئی نسل اگر فرقہ واریت اور تنگ نظری سے بلند ہو کر اخلاص و محبت کا دامن تھامے تو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی تعلیمات اسے فکری آزادی اور عملی جرأت عطا کر سکتی ہیں۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی امامت قیامت تک قائم ہے، کیونکہ وہ ضمیر کا چراغ، آزادی کی صدا، حریت کی اذاں اور انسانیت کی نبض ہیں۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) ہر دور کے امام ہیں، اور زمانے کی ہر کروٹ پر، ہر گردش پر سچ کا پرچم اُنہی کے ہاتھ میں ہے۔

سیّدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

ابتدائی حالات:

سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت باسعادت 5 شعبان المعظم 4ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی- آپ (رضی اللہ عنہ) کے مشہور القابات میں سے سید الشہداء، سبط الرسول، سید شباب اہل الجنہ، ریحانۃ الرسول، سلطانِ کربلا، الذبیح اور امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) ہیں-

دنیا میں بہت ہی کم ایسے خوش نصیب و خوش نفوسِ قدسیہ ہیں، جن کے اسماء مبارکہ اللہ عزوجل کے حکم مبارک سے رکھے گئے- نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی وہ برگزیدہ ہستی ہیں، جن کا اسم مبارک آسمانوں پہ اللہ تعالیٰ کے حکم مبارک سے رکھا گیا جیساکہ سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:

> ”جب (حضرت) حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حمزہ رکھا اور جب (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی تو میں ان کا نام ان کے چچا کے نام پہ جعفر رکھا- آپ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے بلایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اپنے ان دونوں بیٹوں کے نام تبدیل کروں - (حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کی : اللہ اوراس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہتر جانتے ہیں (رہنمائی فرمائیں)- تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے نام حسن اور حسین رکھے“-[1]

حضرت عمران بن سلیمان (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

> ”حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) اہل جنت کے ناموں میں سے دو نام ہیں یہ دونوں اسماء زمانہ جاہلیت میں نہ تھے“-[2]

امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو یہ بھی انفرادیت حاصل ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کا ذکر خیر آپ (رضی اللہ عنہ) کی ولادت باسعادت سے پہلے مشہور ہو چکا تھا، جیساکہ روایت میں ہے:

> ”حضرت ام الفضل بنت حارث (رضی اللہ عنہا)، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے گزشتہ رات ایک خوفناک خواب دیکھا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ آپ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: میں نے دیکھا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے- رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم نے یہ اچھا خواب دیکھا ہے (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) ان شاء اللہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں بچہ پیدا ہو گا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا- چنانچہ سیدہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) کے ہاں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرمان کے مطابق وہ میری گود میں دیئے گئے“-[3]

نسب مبارک، ازواج و اولاد مبارکہ:

آپ (رضی اللہ عنہ) کا نسب مبارک حسین بن علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب[4] بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن

---

[1] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کِتَابُ الْأَدَبِ)

[2] طبقات الکبری لابن سعد رحمۃ اللہ علیہ، باب: ذکر تسمیۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الحسن والحسین (رضی اللہ عنہما)

[3] (المستدرک علی الصحیحین، باب: أَوَّلُ فَضَائِلِ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ الشَّهِيدِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا)

[4] (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ج:2، ص:416)

کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔[5]

امام ابن عساکر (رحمۃ اللہ علیہ) آپ (رضی اللہ عنہ) کی والدہ ماجدہ سیدہ خاتونِ جنت (رضی اللہ عنہا) کی جانب سے نسب نامہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "(سیّدہ) فاطمۃ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بنت خدیجۃ (الکبریٰ) بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی"۔[6]

سیّد الشھداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے کئی نکاح مبارک فرمائے، تاریخ کی کتب میں جن کو ذکر کیا گیا ہے، وہ اسماء مبارکہ درج ذیل ہیں:

رباب کلبیہ بنت امراؤ القیس، لیلیٰ بنت ابی مرہ، اُم اسحاق بن طلحہ بن عبید اللہ، سیّدہ شہر بانو، عائشہ بنت خلیفہ، حفصہ بنت عبد الرحمن، عاتکہ بنت زید بن عمرو، سیّدہ قصاعیہ اور سیّدہ غزالہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔[7]

اللہ تعالیٰ نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو سیدنا عبد اللہ، سیدنا علی اصغر، سیدنا علی اکبر، سیدنا امام زین العابدین، سیدنا جعفر اور اسی طرح سیدہ سکینہ، سیدہ فاطمہ صغریٰ اور سیدہ رقیہ (رضی اللہ عنہم)۔[8]

شہادت مبارک سے قبل پیش گوئیاں:

حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) روایت کرتی ہیں کہ:

"سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آرام فرمایا اور پھر بیدار ہوئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دست اقدس میں سرخ مٹی تھی جس کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بوسے دے رہے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ کون سی مٹی ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: مجھے جبرائیل امین نے (عالم بیداری میں) بتایا کہ میرا یہ بیٹا "حُسین" عراق کی سرزمین میں قتل کر دیا جائے گا میں نے جبرائیل سے کہا: مجھے اس زمین کی مٹی لا کر دکھاؤ، جہاں آپ (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا جائے گا، پس یہ اس کے مقتل کی مٹی ہے"۔[9]

امام طبرانی کی روایت میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں:

"حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اے اُمّ سلمہ! جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو تم جان لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے"۔[10]

اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "حسین بن علیؓ کو ساٹھ ہجری کے اختتام پہ شہید کر دیا جائے گا"۔[11]

سیدی رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "بے شک جبریل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ میرا بیٹا شہید کر دیا جائے گا اور جو بھی اس کو شہید کرے گا اللہ پاک کا اس پر بہت زیادہ غضب ہو گا"۔[12]

جائے شہادت کی خبر:

حضرت أَصبَغ بن نُبَاتَہ حضرت مولیٰ علی شیر خدا (رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ:

"ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ سید الشھداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے مرقد انور کی جگہ پر آئے تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: یہ (امام حسینؓ) کے قافلہ والوں کی سواریاں بیٹھانے کی جگہ ہے اور یہ ان کے کجاووں کی جگہ ہے اور یہاں ان کا (مقدس و معطر) خون بہے گا، اس جگہ پر آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نوجوان شہید ہوں گے اور ان کی شہادت پر زمین و آسمان روئیں گے"۔[13]

بچپن اور تعلیم و تربیت:

سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی جب ولادت با سعادت ہوئی تو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے کان مبارک میں اذان فرمائی اور بطور تحنیک اپنی زبان مبارک آپ (رضی اللہ عنہ) کے دہن میں رکھی اور ساتویں روز عقیقہ کیا۔ کوئی شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا کیا نسبتیں

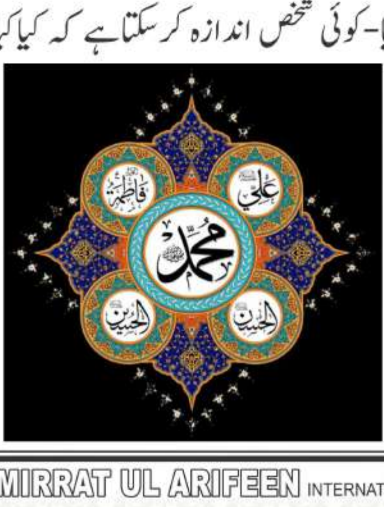

[5](البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج:7، ص:333)
[6](تاریخ دمشق لابن عساکر، باب: الحسين بن علي بن أبي طالب)
[7](مقاتل الطالبین للاصفہانی، ص:86)
[8](امقاتل الطالبین للاصفہانی، ص:94)
[9](المستدرك على الصحيحين، كِتَاب تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا)
[10](المعجم الكبير للطبرانی، باب: الحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنهما)
[11](ایضاً)
[12](تهذيب الكمال في أسماء الرجال، كتاب: من اسمه الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
[13](دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني)

اور کیسی کیسی عظمتیں سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے حصے میں آئیں، وہ کس کے نواسے، کس کے نورِ نظر، کس کے لختِ جگر اور کس کے بھائی ہیں-بلاشبہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے ابتدائی تعلیم جن نفوس قدسیہ سے حاصل کی جس کی ایک جھلک ہمیں آپ (رضی اللہ عنہ) آپ (رضی اللہ عنہ) کے خطبات مبارکہ (جو کہ میدانِ کربلاء میں ارشاد فرمائے) میں نظر آتی ہے-اس کے علاوہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے حضور نبی کریم (ﷺ) اور حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایات لیں- آپ (رضی اللہ عنہ) سے آپ کے صاحبزادے علی بن حسین (رضی اللہ عنہما)، آپ (رضی اللہ عنہ) کی شہزادی سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے بھتیجے زید بن حسن، شعیب بن خالد، طلحہ بن عبید اللہ العقیلی، یوسف الصباغ، عبید بن حنین، ھمام بن غالب الفرزدق اور ابوہشام (رضی اللہ عنہم) نے روایات نقل کیں-[14]

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے سماع حدیث اور روایت کرنے والے افراد میں حسن بن علی، امام زین العابدین، فاطمہ صغریٰ بنت حسین، سکینہ بنت حسین، باقر، عکرمہ، شعبی، کرز تیمی اور شیبان دولی (رضی اللہ عنہم) شامل ہیں-[15]

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

”ایک مرتبہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) حضور نبی کریم (ﷺ) کے پاس تھے اور آپ (ﷺ) امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے- امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی: میں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس جانا چاہتا ہوں- حضرت ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) عرض کرتے ہیں کہ (یارسول اللہ ﷺ!) کیا میں ان کے ساتھ چلا جاؤں؟ پس (اسی اثناء میں) آسمان سے ایک روشنی (نور) آیا سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) اس کی روشنی میں چلتے رہے، یہاں تک کہ (اپنی والدہ ماجدہ کے پاس) پہنچ گئے“-[16]

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ:

”کھجور کے درختوں سے کھجوریں اتارتے وقت رسول اللہ (ﷺ) کے پاس کھجوریں لائی جاتیں، حتی کہ آپ (ﷺ) کے پاس کھجوروں کا ڈھیر لگ جاتا-پس حضرت حسن اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) ان کھجوروں کے ساتھ کھیل رہے تھے، تو ان میں سے ایک نے کھجور اپنے منہ میں ڈال لی، پس رسول اللہ (ﷺ) نے ان کی طرف دیکھا اور آپ (ﷺ) نے وہ کھجور ان کے منہ سے نکال لی- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کی آل صدقہ نہیں کھاتی“-[17]

اندازہ لگائیں! سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) ابھی اپنے بچپن کی زندگی بسر کر رہے تھے، اگر کھجور تناول بھی کر لیتے تو کوئی ذی شعور اس بات پہ اعتراض نہ کرتا، کیونکہ بچپن کا عالم تھا لیکن قربان جائیں، حضور خاتم الانبیاء (ﷺ) کے انداز تربیت پہ کہ آپ (ﷺ) نے اس عمر میں ان کے حلقوم مبارکہ سے خلاف شرع چیز داخل ہونے کو ناپسند فرمایا- اس سے ہر صاحب اولاد اپنے بچوں کی تربیت کے حوالے سے کئی اسباق اخذ کر سکتا ہے-

حرفِ آخر:

شہید کربلا، سید الشہداء سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے محرم الحرام 61 ھ بروز جمعۃ المبارک کو جام شہادت نوش فرمایا-[18] بلاشبہ سیّدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی ذات مبارک ایک شش جہات ہیرے کی مانند ہے جس کو جس انداز اور جس پہلو سے دیکھیں آنکھوں کو ٹھنڈک اور روح کو تروتازگی ملتی ہے- آج ضرورت اس امر کی ہے کہ نواسۂ رسول (ﷺ) سیّدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی سیرت مبارکہ کو سمجھا جائے اور نوجوان نسل کو اس روشناس کروا کر اس پہ عمل کی دعوت دی جائے کیونکہ دونوں جہانوں میں یہی ہمارے لیے ذریعہ نجات ہے-

☆☆☆

اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وسلم تسلیما

[14](تاریخ دمشق لابن عساکر، باب: الحسين بن علي بن أبي طالب (رضی اللہ تعالی عنھما)
[15](الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ص:319)
[16](المعجم الکبیر للطبرانی، باب الحاء)
[17](صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ)
[18](سیر اعلام النبلاء، ص:371)

سانحۂ کربلا کا ذمہ دار حکمران تھا یا اس کے ماتحت؟

(علمِ سیاسیات سے ایک مطالعہ)

ادارہ

ابتدائیہ:

ایسے دور میں جب مختلف آراء اور دلائل تک رسائی پہلے سے کہیں زیادہ آسان ہو گئی ہے، یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم خیالات کو بغیر سوچے سمجھے قبول نہ کریں، بلکہ اُن کے پسِ پُشت موجود وجوہات و اسباب کو سمجھنے کی کوشش کریں- محض جذبات، مقبولیت یا فرقہ وارانہ رجحانات کی بنیاد پر کسی دلیل پہ ردِ عمل دینے کی بجائے اس کی منطق کو جانچنے کی صلاحیت کسی بھی معاشرے کی علمی پختگی اور فکری دیانت کو بر قرار رکھنے کے لیے انتہائی اہم ہے- اگر ہم یہ صلاحیت کھو بیٹھیں، تو ہم علمی فیصلے کو محض جذباتی نعروں اور تنقیدی سوچ کو ہجوم کی رائے سے بدلنے کے خطرے سے دوچار ہو جائیں گے - تصورات اور دعوے چاہے جذبات پہ مبنی ہوں یا عمومی طور پر قبول کردہ ہوں، ان کا بنظرِ عمیق اور بغور جائزہ لینے سے ہی ایک معاشرہ اپنی اخلاقی اور علمی ساکھ برقرار رکھ سکتا ہے-

ماہِ محرم الحرام کی آمد قریب ہے اور ایسے میں ایک موضوع جو سنجیدہ غور و فکر اور منطقی جانچ کا تقاضا کرتا ہے، وہ واقعۂ کربلا ہے- یہ تاریخی واقعہ جذبات اور عقیدت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ اقتدار، ذمہ داری اور انصاف جیسے اہم سوالات کو بھی جنم دیتا ہے، ایسے سوالات جو جذباتیت اور عقیدت کے ساتھ ساتھ عقلی تجزیے کے بھی حقدار ہیں-

بنیادی مسئلہ:

موجودہ دور میں انفارمیشن ٹیکنالوجی ہمارے فکری اور مذہبی مباحث کو ایک نیا چیلنج پیش کر رہی ہے کہ چاہے کوئی کچھ بھی دلیل دے، تقریباً ہمیشہ کوئی نہ کوئی اس سے اختلاف ضرور کرے گا- مسلم دنیا میں یہ صورتحال اکثر ایک مستقل بحث کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، ایک گروہ کسی مخصوص مؤقف کا اظہار کرتا ہے، جبکہ دوسرا گروہ اس کے برخلاف رائے پیش کرتا ہے- اور دونوں اپنی بات کے حق میں مختلف احکامات یا تفسیری نقطہ نظر کو بنیاد بناتے ہیں- وقت کے ساتھ، اس طرزِ فکر نے ہماری روایت کے بعض مقدس ترین پہلوؤں پر بھی سوال اٹھانے کا رجحان پیدا کر دیا ہے- ایسے سوالات کوئی بات سمجھنے کی نیت سے نہیں، بلکہ اختلافات کے ردِ عمل کے طور پر پیدا ہوتے ہیں- ہر گزرتی نسل کے ساتھ ہم میں اس بات کی عادت بڑھ رہی ہے کہ فوراً پوچھیں: یہ قرآن کریم میں کہاں لکھا ہے؟ اور جب کوئی بات یا اصول، قرآن کریم کے نزول کے بعد کے دور سے متعلق ہو، تو ہمارا فوری سوال ہوتا ہے ”یہ کس نے کہا؟“ اور پھر فوراً یہ جملہ آتا ہے ”مجھے ایک ایسا شخص بھی معلوم ہے جس نے اس کے برخلاف بات کی ہے“-

”رائے بازی“ کا ایسا کلچر جس میں مدلل تجزیے کی کوئی پابندی نہ ہو، ہمارے دینی فہم کو صرف اس بات تک محدود کر دیتا ہے کہ کس نے کیا کہا- یہ طریقہ کار ہمیں خود سے سوچنے، منطق استعمال کرنے اور دلائل کو ان کی علمی بنیاد پر پرکھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے- یہ ایک غیر سائنسی طرزِ فکر کو فروغ دیتا ہے جس میں جذبات اور وابستگیاں منطقی سوچ پر غالب آجاتی ہیں-

اگر لوگ اسی طرح سوچنے لگیں، تو ہمیں اس خطرے کا سامنا ہو گا کہ ہم نہ صرف اجتماعی طور پر سوچنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھیں گے بلکہ اپنی اخلاقی اقدار بھی کھو دیں

گے- حالانکہ دینی بات چیت میں ہمیں انہی چیزوں کو اہمیت دینی چاہیے-

زیرِ نظر مسئلہ:

اسلامی تاریخ کے سب سے زیادہ جذباتی موضوعات میں سے ایک واقعہ کربلا ہے جس کے متعلق بات چیت اکثر جھگڑے میں بدل جاتی ہے کہ کس نے کیا کہا- یہ حیران کن اور بلاشبہ افسوسناک بات ہے کہ آج بھی اُس روز پیش آنے والے واقعات کے بنیادی حقائق پر اختلاف موجود ہے اور ان افراد کے بارے میں بھی اختلاف ہے جن کی ذہنیت اور فیصلے اس المناک سانحے کا سبب بنے-

سب سے زیادہ زیرِ بحث رہنے والے سوالات میں سے ایک یہ ہے کہ کیا یزید، جو اس وقت کا اموی حکمران تھا، نے براہِ راست حضرت امام حسینؓ، سیدنا رسول اللہ (ﷺ) کے اہل بیت اور ساتھیوں کے قتل کا حکم دیا تھا؟ جو بات حقیقی تاریخی تجزیے اور منطقی غور و فکر کا تقاضا کرتی ہے، وہ اکثر فرقہ وارانہ اضطراب، جذباتی وابستگیوں اور نسل در نسل منتقل ہونے والی متضاد روایات کے باعث دھندلا جاتی ہے-

حقیقتاً جو بھی مضمون اس سوال کو روایتی انداز میں بیان کرتا ہے، اُسے بعض لوگ فوراً یہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ یہ ”کسی ایک فریق کا ساتھ دیا جا رہا ہے“-یہی بنیادی مسئلہ زیرِ نظر مضمون کا اصل مدعا ہے کہ ہم جو ایسے اہم تاریخی اور اخلاقی سوالات کو غیر جانبداری، عقل اور انصاف کے ساتھ دیکھنے کی بجائے، تعصب، جذبات یا موروثی سوچ کی قید میں آ کر پرکھتے ہیں- یہ مضمون کسی کا ساتھ دینے کے لئے نہیں بلکہ ایک ایسے اہم لمحے کو منطق اور علمِ سیاسیات کے اصولوں کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش ہے جو اسلامی تاریخ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے-

دلائل:

واقعۂ کربلا پر پہلے ہی معروف اور قابلِ احترام علماء کی ایک بڑی تعداد علمی کام کر چکی ہے- چونکہ اس موضوع پر موجود علمی ذخیرہ نہایت گہرا اور وسیع ہے، اس لیے محض اُن باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہیں جو پہلے ہی ایسے اہل علم بیان کر چکے ہیں بالخصوص جو اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے ہم سے کہیں زیادہ مستند اور ماہر ہیں-

تاہم جس چیز کی نمایاں طور پر کمی نظر آتی ہے، وہ ہے کہ واقعۂ کربلا کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ یہ بات حیران کن ہے کہ اس سانحے کی تاریخی اہمیت اور تیرہ صدیوں سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود، آج بھی اس حقیقت کو دھندلا کر اور اختلاف کے ساتھ ظاہر کرنے کی بھر پور کوشش کی جاتی ہے کہ آیا یزید کو اس واقعے کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

یزید کے دفاع میں عام طور پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ وہ دمشق میں مقیم تھا جو کہ کربلا کے میدانِ جنگ سے سینکڑوں میل دور ہے، اس لیے اسے براہِ راست ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا- نہ تو وہ خود اموی فوج کی قیادت کے لیے موجود تھا، اور نہ ہی وہ وہاں موجود تھا کہ براہِ راست اپنے مقرر کردہ اہلکاروں، جیسے کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد اور اموی افواج کے سالار عمر بن سعد کو احکامات دے-

ایک اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کوئی حتمی اور مستند تحریری ثبوت موجود نہیں ہے جس میں واضح طور پر یزید نے حضرت امام حسینؓ، ان کے اہلِ خانہ اور ساتھیوں کے قتل کا براہِ راست حکم جاری کیا ہو- یزید کے حامیوں کا کہنا ہے کہ چونکہ ایسا کوئی صریح حکم نامہ موجود نہیں، اس لیے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یزید نے اہل بیت رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ اس سلوک کی منظوری دی تھی-

یہی وہ مقام ہے جہاں منطق اور علمِ سیاسیات کی بنیاد پر عمیق اور باریک بینی سے کی گئی تحقیق اور تجزیہ کی ضرورت پیش آتی ہے- زیرِ نظر مضمون میں یہی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے-

منطق ہماری مدد کیسے کر سکتی ہے؟

تاریخی احتساب کے معاملات میں، خاص طور پر جب نتائج واقعۂ کربلا جیسے سنگین ہوں، تو منطق ایک ناگزیر ذریعہ

بن جاتی ہے- یہ ہمیں جذباتی پن، منتخب یادداشت اور محض فرقہ وارانہ وابستگی کی بنیاد پر روایات کو قبول یا رد کرنے کے رویوں سے بچاتی ہے-

سب سے پہلے، تحریری ثبوت کی عدم موجودگی خود بخود ذمہ داری کی عدم موجودگی کے مترادف نہیں ہے- محض اس وجہ سے کہ یزید کی طرف سے امام حسینؓ کو قتل کرنے کا کوئی براہِ راست حکم تحریری صورت میں محفوظ نہیں رہا، یہ کسی بھی عقلی معیار کے مطابق ثابت نہیں کرتا کہ ایسا کوئی حکم کبھی دیا ہی نہیں گیا تھا- قیادت، خاص طور پر ایک شخصی شاہی ریاست کے نظام میں، نہ صرف فیصلے سازی کی ذمہ دار ہوتی ہے بلکہ اختیارات کی تفویض کے نتائج کی جوابدہی بھی اسی پر عائد ہوتی ہے-

یزید کوئی غیر متعلقہ یا واقعات سے دور شخصیت نہیں تھا- وہ اموی سلطنت کا خود مختار حکمران تھا- اگر وہ حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو محفوظ رکھنا چاہتا تو وہ اس مقصد کے لیے واضح اور لازمی ہدایات جاری کر سکتا تھا- وہ یہ حکم دے سکتا تھا کہ حضرت امام حسینؓ کو گرفتار کیا جائے لیکن انہیں نقصان نہ پہنچایا جائے- لیکن واقعات کا تسلسل کچھ اور ہی ظاہر کرتا ہے- سانحۂ کربلا اچانک یا حادثاتی طور پر پیش نہیں آیا بلکہ یہ سوچے سمجھے فیصلوں کے تسلسل کا نتیجہ تھا، جو یزید کے اس مطالبے سے شروع ہوا کہ حضرت امام حسینؓ اس کی بیعت کریں اور جب یہ مطالبہ رد کر دیا گیا تو اس کا انجام خونریزی پر ہوا-

یہ یزید ہی تھا جس نے کوفہ کے نرم خو گورنر نعمان بن بشیر کو معزول کیا اور اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو مقرر کیا، جو اپنی سنگدلی اور سختی کے لیے مشہور تھا- تو یہاں پر حامیان یزید سے ایک سوال تو بنتا ہے کہ گورنر نعمان بن بشیر کی جگہ عبید اللہ بن زیاد جیسے خونخوار گورنر کو مقرر کرنے کا کیا مطلب تھا؟ کیا یہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے تحفظ کیلئے تبدیلی کی گئی تھی؟

یہ یزید ہی تھا جس نے اختلافِ رائے کو دبانے کے لیے طاقت کے استعمال کی اجازت دی اور یہ یزید ہی تھا جو بطور حکمران اپنے صوبائی حکمرانوں کے اقدامات پر آخری اختیار رکھتا تھا-

آیئے اس ذمہ داری کی منطقی کڑی کو نقطہ بہ نقطہ جانچتے ہیں:

یزید کے ماتحت طاقت کی مرکزیت:

یزید کو اموی حکومت پر مکمل اختیار حاصل تھا- تمام بڑے سیاسی اور عسکری فیصلے، خاص طور پر ایسے نمایاں افراد سے متعلق جیسے کہ امام حسینؓ، جو آقا کریم (ﷺ) کے نواسے تھے، یزید کی منظوری کے بغیر ممکن نہ تھے- یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ حضرت امام حسینؓ جیسی عظیم شخصیت کی شہادت، جو سیاسی اور مذہبی طور پر ایک دھاکہ خیز واقعہ تھا، یزید کی مرضی یا ارادے کے بغیر ہو گیا ہو-

منطقی طور پر سوال اٹھتا ہے کہ اگر یزید نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، تو پھر اس نے ان لوگوں کو سزا کیوں نہیں دی جنہوں نے یہ فعل انجام دیا؟

ابن زیاد کو مخصوص ہدایات کے ساتھ مقرر کرنا:

یزید نے کوفہ کے نسبتاً معتدل گورنر کو ہٹا کر ایک سخت گیر شخص عبید اللہ بن زیاد کو جان بوجھ کر اس عہدے پر مقرر کیا اور اسے اختلاف کرنے والوں کو کچلنے کے احکامات دیے- تاریخی روایات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ ابن زیاد کو وسیع اختیارات دیے گئے تھے اور اس سے یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ کوفہ کے لوگوں کو مکمل اطاعت پر مجبور کرے، چاہے اس کے لیے خونریزی ہی کیوں نہ کرنی پڑے- منطقی طور پر یہاں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب ایک حکمران کسی سنگدل ماتحت کو ذمہ داری پہ مقرر کرتا ہے اور اسے اختلافِ رائے ختم کرنے کے لیے کھلے اختیارات تفویض کرتا ہے، تو

پھر اس کے نتائج کی براہِ راست ذمہ داری بھی اسی حکمران پر ہی عائد ہوتی ہے۔

کربلا کے سانحے کے بعد یزید کی خاموشی:

کربلا کے واقعات کے بعد یزید نے قتلِ عام کرنے والے افراد کو عہدے سے ہٹانا یا سزا دینا تو درکنار، ان کی سرزنش تک نہ کی۔ اس کے برعکس، اس نے عبید اللہ بن زیاد کو اس کے عہدے پر برقرار رکھ کر درپردہ انعام دیا۔ منطقی طور پر دیکھا جائے تو ایک مطلق العنان نظام میں ظلم کے سامنے خاموشی غیر جانبداری نہیں ہوتی بلکہ یہ خاموشی واضح طور پر تائید و حمایت کے مترادف ہوتی ہے۔

قیدیوں کا یزید کے دربار میں پیش کیا جانا:

شہداء کے کٹے ہوئے سر، جن میں حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک بھی شامل تھا، دمشق میں یزید کے دربار میں پیش کیے گئے، ساتھ ہی سیدنا رسول اللہ (ﷺ) کے اہلِ بیت میں سے بچ جانے والی محترم و مکرم خواتین اور بچوں کو بھی قیدی بنا کر پیش کیا گیا۔ متعدد اور مستند اہلسنت تاریخی ذرائع یہ بیان کرتے ہیں کہ یزید نے قیدیوں کی سرِعام توہین کی اور بعض روایات کے مطابق اس نے حضرت امام حسینؓ کے سرِ مبارک کو چھڑی سے مارا اور رسول کریم (ﷺ) کے نسب کا مذاق اڑایا۔ اس طرح کا سلوک کسی ندامت یا افسوس کو ظاہر نہیں کرتا، بلکہ یہ یقیناً پہلے سے طے شدہ منظوری کا اشارہ بھی ہے، اور اس واقعہ پر یزید کی خوشنودی کو ظاہر بھی کرتا ہے۔

اگرچہ کربلا کے حوالے سے جذباتی بیانیے طویل عرصے سے غالب رہے ہیں، لیکن درحقیقت منطق جو سیاسی ڈھانچے، سٹریٹجک مفادات اور تاریخی مثالوں پر مبنی ہے، یزید کی ذمہ داری کو پختگی سے ثابت کرتی ہے۔ ایسے ظلم میں حکمران کے کردار کو جانچنے کے لیے دستخط شدہ حکم نامے کی ضرورت نہیں رہتی، جب نیت، فائدہ اور خاموشی اور تمسخر اڑانے کے شواہد بھرپور اور واضح ہوں۔

علمِ سیاسیات کا نظریہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟

منطقی دلائل کے علاوہ، سیاسی نظریہ (Political Theory) ہمیں طاقت کے استعمال، اختیارات کے ڈھانچے اور ذمہ داری کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے ایک گہرا اور منظم زاویہ فراہم کرتا ہے۔ سانحۂ کربلا، اگرچہ اکثر مذہبی تناظرات میں زیرِ بحث آتا ہے، تاہم وہ ایک سیاسی انتشار بھی تھا۔ ایسا انتشار جو ہمیں کلاسیکی اور جدید سیاسی فکر کی روشنی میں سنجیدہ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ یزید کی ذمہ داری کا تعین کرنے کے لیے ہمیں یہ سوال اٹھانا ہوگا: ایسے مواقع پر خود مختار حکمران کی جوابدہی کے بارے میں ابتدائی سیاسی مفکرین ہمیں کیا بتاتے ہیں؟

میکس ویبر کی مشہور اتھارٹی کی درجہ بندی (typology of authority) روایتی، قانونی وعقلی اور کرشماتی (charismatic)، ایک مؤثر نقطۂ آغاز فراہم کرتی ہے۔ یزید کی حکمرانی روایتی اقتدار پر مبنی تھی، جو اسے اپنے والد حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے موروثی طور پر حاصل ہوئی۔ اس قسم کے نظام میں اختیار مرکز کے پاس ہوتا ہے اور نسب کے ذریعے مضبوط کیا جاتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ نظام حکمران کو اپنے مقرر کردہ اہلکاروں پر مکمل کنٹرول اور ان کی جانب سے اقدام کرنے کا جواز بھی دیتا ہے۔ جب گورنر یا فوجی کمانڈر ایسے حکومتی ڈھانچے کے تحت کوئی فعل سرانجام دیتے ہیں، تو ان کے افعال کی حتمی ذمہ داری حکمران پر ہی عائد ہوتی ہے۔ یزید کے معاملے میں یہ کہنا ناقابلِ قبول ہے کہ کربلا میں ظلم ڈھانے والوں نے اس کے دائرہ اختیار سے تجاوز کیا بلکہ انہوں نے ایک ایسے نظام کے تحت کام کیا جو یزید کے حکم پر قائم تھا اور اسی کی طاقت سے قائم رکھا گیا۔

ہابز کے نظریۂ خود مختاری (Hobbesian Sovereignty) کے مطابق یہ ذمہ داری اور بھی واضح ہو جاتی ہے- اپنی کتاب Leviathan میں، تھامس ہابز حکمران کو قانون، اختیار اور جبر کا واحد منبع قرار دیتا ہے، جس کا بنیادی فرض طاقت کو قائم رکھنا ہوتا ہے خواہ اس کے لیے جبر کا سہارا لینا پڑے- ہابز ظلم و جبر کو جواز فراہم نہیں کرتا، لیکن وہ یہ بات واضح کرتا ہے کہ حکمران ریاستی اقدامات کی ذمہ داری دوسروں پر نہیں ڈال سکتا- اس تناظر میں یزید کی مکمل اطاعت کے مطالبے اور اختلافِ رائے کو دبانے کی کوشش، خاص طور پر جب وہ حضرت امام حسینؓ جیسی شخصیت کے متعلق ہو، محض حکمتِ عملی نہیں بلکہ حکمران کی خود مختار اور خواہش کا اظہار ہے- جیسا کہ ہابز زور دیتا ہے، اس خود مختار ارادے کے نتائج کی تمام تر ذمہ داری صرف اور صرف خود حکمران پر عائد ہوتی ہے-

پرنسپل-ایجنٹ تھیوری (Principal–Agent theory) ایک اور اہم نظریاتی فریم ورک فراہم کرتی ہے- یہ نظریہ، جو سیاسیات اور معاشیات دونوں میں پروان چڑھا ہے، ایک سربراہ (Principal) اور اس کے ماتحتوں (Agents) کے درمیان تعلق کو بیان کرتا ہے، یعنی وہ نمائندے جو سربراہ کی جانب سے عمل کرتے ہیں- جب یہ نمائندے اپنے تفویض کردہ کردار کے دائرے میں کام کرتے ہیں اور ان کے اقدامات کو سربراہ نہ مسترد کرتا ہے اور نہ ہی سزا دیتا ہے، تو ذمہ داری بالآخر سربراہ پر ہی عائد ہوتی ہے- یزید کا عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو مقرر کرنا، ان کے مظالم کو نہ روکنا، اور کربلا کے بعد خاموشی اختیار کرنا، یہ تمام عوامل اس نظریے پر پورا اترتے ہیں کہ یزید نے محض ان کے افعال کو برداشت ہی نہیں کیا بلکہ ان سے فائدہ بھی اٹھایا- لہٰذا ”پرنسپل-ایجنٹ تھیوری“ کے ساختیاتی اصولوں کے مطابق، یزید کی ذمہ داری و جوابدہی نہ صرف رسمی ہے بلکہ ناقابلِ تردید بھی ہے-

مکیاویلی کی حقیقت پسندی (Machiavellian Realism) اس بحث میں ایک اور جہت کا اضافہ کرتی ہے اگرچہ یہ ایک تلخ تعبیر ہے- اپنی کتاب The Prince میں، نکولو مکیاویلی اپنی معروف دلیل پیش کرتا ہے کہ حکمرانوں کو ممکنہ طور اور بعض اوقات لازماً سیاسی بقا کے لیے ظلم و ستم کا سہارا لینا پڑتا ہے- اس زاویہ نظر سے دیکھا جائے تو یزید کا حضرت امام حسینؓ کو، جو ایک علامتی اور کرشماتی (charismatic) شخصیت کے ساتھ یزید کے مخالف تھے اور بے مثال اخلاقی جواز کے بھی حامل تھے، اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرنا ایک مکیاولیائی حکمتِ عملی کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جس کا مقصد اپنے اقتدار کی سالمیت تھا- ماورا اس سے کہ یہ تعبیر قابلِ تقلید ہے یا نہیں، یہ یزید کو اس کے اقدامات سے بری الذمہ نہیں کرتی بلکہ یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت امام حسینؓ کا قتل ایک سوچا سمجھا منصوبہ اور سیاسی مفادات سے جڑا ہوا عمل تھا- مکیاویلی کے نظریات کی روشنی میں یزید کا یہ عمل نہ تو کوئی غلطی تھا، نہ کوئی انتظامی کوتاہی بلکہ ایک باقاعدہ سیاسی فیصلہ تھا- یہی منصوبہ بندی اس کی ذمہ داری کو کم کرنے کی بجائے اور زیادہ سنگین بنا دیتی ہے-

جدید سیاسی اخلاقیات، خاص طور پر ”ذمہ داری برائے تحفظ“ (Responsibility to Protect – R2P) کا اصول، اس دلیل کو مزید تقویت دیتا ہے- اگرچہ یہ نظریہ جدید تعبیر ہے، لیکن اس کی بنیاد ایک ابدی اصول پر ہے کہ جنگ یا ظلم کے دوران حکمران نہ صرف اخلاقی بلکہ سیاسی طور پر بھی اُن جرائم کے ذمہ دار ہوتے ہیں جو ان کے اقتدار کے تحت سرزد ہوں، چاہے وہ خود ان میں براہِ راست ملوث نہ بھی ہوں- یہ اصول ”Command Responsibility“ کے قانونی فریم ورک میں جڑا ہوا ہے، اور بین الاقوامی فوجداری عدالتوں میں اسے تسلیم کیا گیا ہے جہاں ریاستی سربراہوں کو اس بنا پر مجرم ٹھہرایا گیا کہ وہ اپنی افواج یا نمائندوں کے مظالم کو روکنے یا ان کے کئے پہ سزا دینے میں ناکام رہے- یزید، بطورِ سربراہِ ریاست، نہ صرف یہ صلاحیت رکھتا تھا کہ وہ قتل عام کو روک سکتا، بلکہ وہ ان مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لا سکتا تھا جنہوں نے یہ جرم کیا مگر اس نے نہ کچھ

روکا، نہ کسی کو سزا دی- یزید کی شراکت صرف اس میں نہیں تھی جو اس نے حکم دیا، بلکہ اس میں بھی تھی جو اس نے خاموشی اور بے عملی کے ذریعے برداشت کیا-

کارل شمٹ (Carl Schmitt) کا نظریۂ خود مختاری (sovereignty) اس نکتے کو اور زیادہ واضح بنا دیتا ہے- شمٹ کے مطابق، خود مختاری کی اصل طاقت اس اختیار میں پنہاں ہے کہ حکمران یہ فیصلہ کر سکے کہ کس وقت قانون کو معطل کیا جائے اور کس کو سیاسی نظام کے تحفظ کی خاطر مستثنیٰ، سزاوار یا تباہ کر دینا ضروری ہے- امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو شہید کرنے کا فیصلہ جو ایک ایسی شخصیت تھے جن کی اخلاقی و دینی حیثیت یزید کی سیاسی حیثیت کو براہِ راست چیلنج کر رہی تھی، عین اسی قسم کا "استثنائی فیصلہ" تھا- یہ نہ تو کسی جنگ کا حادثہ تھا، نہ کسی صوبائی انتظامیہ کی بد نظمی کا نتیجہ - بلکہ یہ اس وقت کے حاکم کا خود مختار فیصلہ تھا، جس کا مقصد اپنے ناجائز اقتدار کو لاحق "وجودی خطرے" کو ختم کرنا تھا- شمٹ کی تعبیر میں یہ عمل صرف یزید کے نام سے منسوب ہی نہیں، بلکہ اس کی حکمرانی کا اصل مظہر تھا-

ان تمام متنوع مگر باہم جُڑے ہوئے نظریاتی رجحانات ویبر (Weber)، ہابز (Hobbes)، مکیاویلی (Machiavelli)، جدید بین الاقوامی قانون، اور کارل شمٹ (Schmitt) کو اگر یکجا کیا جائے تو وہ ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایسے کسی بھی نظام میں جہاں طاقت مرکزیت رکھتی ہو اور فیصلے ایسے نمائندوں کے ذریعے نافذ کیے جائیں جو خود مختار حکمران کے علم میں اور مفاد کے تحت عمل کر رہے ہوں، تو ان فیصلوں کی مکمل ذمہ داری خود حکمران پر ہی عائد ہوتی ہے- یزید کو چاہے قدیم سیاسی فکر کے پیمانے سے دیکھا جائے، ابتدائی جدید دور کے اصولوں سے یا پھر معاصر سیاسی نظریات سے، ہر لحاظ سے کربلا میں پیش آنے والے واقعات کا ذمہ دار وہی ہے-

تنقید کا جائزہ:

کربلا کے سانحے میں یزید کی ذمہ داری پر کوئی سنجیدہ تحقیق اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس مؤقف کے خلاف دی جانے والی مضبوط ترین دلیلوں کا سنجیدہ تجزیہ نہ کیا جائے- علمی دیانت داری کا تقاضا صرف دعویٰ کرنے میں نہیں بلکہ ان کو مدلل اعتراضات کے خلاف جانچنے میں بھی ہے - اگرچہ یزید پہ ذمہ داری عائد ہونے کے حق میں دلائل مضبوط اور قائل کرنے والے ہیں، تاہم ان کا موازنہ اُن عام اعتراضات سے ضرور کیا جانا چاہیے جو اس بحث میں خوارج کی جانب سے اکثر پیش کیے جاتے ہیں-

پہلا اعتراض متون کی خاموشی (textual silence) پر مبنی ہے - یعنی اس بات کا کوئی محفوظ تحریری ثبوت یا بیان موجود نہیں جس میں یزید نے واضح طور پر حضرت امام حسینؓ کے قتل کا حکم دیا ہو- قانونی اثباتیت (legal positivism) یا بین الاقوامی قانون میں رائج طریقۂ کار کی رُو سے دیکھا جائے تو کسی تحریری حکم کے بغیر نیت کو ثابت کرنا بظاہر مشکل ہوتا ہے- تاہم، پہلے بیان کیے گئے سیاسی نظریات: جیسے پرنسپل-ایجنٹ منطق (principal–agent logic) اور کمانڈ ریسپانسبلٹی (command responsibility)، یہ واضح کرتے ہیں کہ کسی جرم کی ذمہ داری کے تعین کے لیے "دھواں چھوڑتی بندوق" (smoking gun) یعنی براہِ راست تحریری ثبوت لازمی نہیں ہوتا- خاموش منظوری، اختیار کی ساخت اور ایسے نتائج کو روکنے میں ناکامی جن کا وقوع پذیر ہونا ممکنہ طور پر واضح تھا، یہ سب کسی سربراہ کی ذمہ داری ثابت کرنے کے لیے کافی سمجھے جاتے ہیں- آج کے بین الاقوامی جنگی جرائم کے مقدمات میں بھی متعدد حکمران صرف تحریری احکامات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اپنے ماتحت افراد پر کنٹرول اور ظلم کے وقت خاموشی یا بے عملی کی بنیاد پر سزا پا چکے ہیں-

دوسرا اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ذمہ داری یزید پر نہیں بلکہ اس کے ماتحت افراد، عبید اللہ بن زیاد، شمر اور عمر بن سعد پر عائد ہوتی ہے، جنہوں نے ممکنہ طور پر اپنے اختیارات سے تجاوز کیا اور جو مقامی دباؤ یا حالات کے تحت پالیسیوں کی اپنی مرضی سے تشریح کر بیٹھے- تاہم یہ دلیل یزید کے سخت

مرکزیت والے طرزِ حکمرانی کے تناظر میں کمزور پڑ جاتی ہے- ایسے سلطنتی نظام میں جہاں خود مختار حکمران کی رائے سے اختلاف تک برداشت نہیں کیا جاتا تھا اور جہاں معاملہ حضرت امام حسینؓ جیسے اہم اور حساس شخصیت کا بیعت سے انکار کا تھا، یہ ماننا مشکل ہے کہ ایسا فیصلہ حکمران کی منظوری کے بغیر ممکن ہو سکا ہو- اس کے علاوہ، کربلا کے سانحے کے بعد یزید کا اپنے ان ماتحتوں کو سزا نہ دینا یا سرزنش تک نہ کرنا، اس دفاع کی ساکھ کو مزید کمزور کر دیتا ہے- یہ خاموشی بذاتِ خود ایک طرح کی تائید سمجھی جاتی ہے-

تیسرا اعتراض سانحۂ کربلا کے بعد کے ندامتی جذبات پر مبنی ہے- بعض تاریخی ذرائع کے مطابق، یزید نے واقعے کے بعد افسوس کا اظہار کیا یا عبید اللہ بن زیاد کو موردِ الزام ٹھہرایا، جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید وہ گمراہ کیا گیا تھا- اگرچہ یہ موقف سیاسی نفسیات کے تعمیری نظریے (constructivist view of political psychology) سے مطابقت رکھتا ہے، جس کے مطابق حکمران وقت کے ساتھ، بالخصوص اپنی ساکھ پر پڑنے والے دباؤ کے تحت، اپنے رویے میں تبدیلی لا سکتے ہیں تاہم، یہ دلیل قائل کرنے والی نہیں لگتی- اگر کوئی حکمران کسی سیاسی اقدام کے مکمل ہونے کے بعد، صرف زبانی افسوس کا اظہار کرے اور اس کے ساتھ کسی قسم کی تادیبی یا اصلاحی کارروائی نہ کرے، تو ایسی پشیمانی کا اظہار کسی بھی طرح بری الذمہ ہونے کا جواز فراہم نہیں کرتی- الفاظ، جب تک عمل کے ساتھ نہ ہوں، ذمہ داری سے فرار کا ذریعہ نہیں بن سکتے-

چوتھے اعتراض میں یہ مؤقف پیش کیا جاتا ہے کہ یزید کے اقدامات، خواہ وہ کتنے ہی افسوسناک کیوں نہ ہوں، ضروری تھے- مکیاولیائی حقیقت پسندی کے نقطۂ نظر سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ سیاسی عدم استحکام کے دور میں حضرت امام حسینؓ کی تحریک کو دبانا نظم و نسق قائم رکھنے کے لیے ایک عقلی اقدام تھا- اگرچہ یہ منطق فکری طور پر ناقابلِ قبول محسوس ہوتی ہو، یہ ایک الگ بحث ہے، تاہم اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ دلیل درست ہے، تب بھی یہ یزید کی ذمہ داری کو رد نہیں بلکہ الٹا تسلیم کرتی ہے- اگر کہا جائے کہ یہ تشدد "ضروری" تھا، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ عمل مکمل

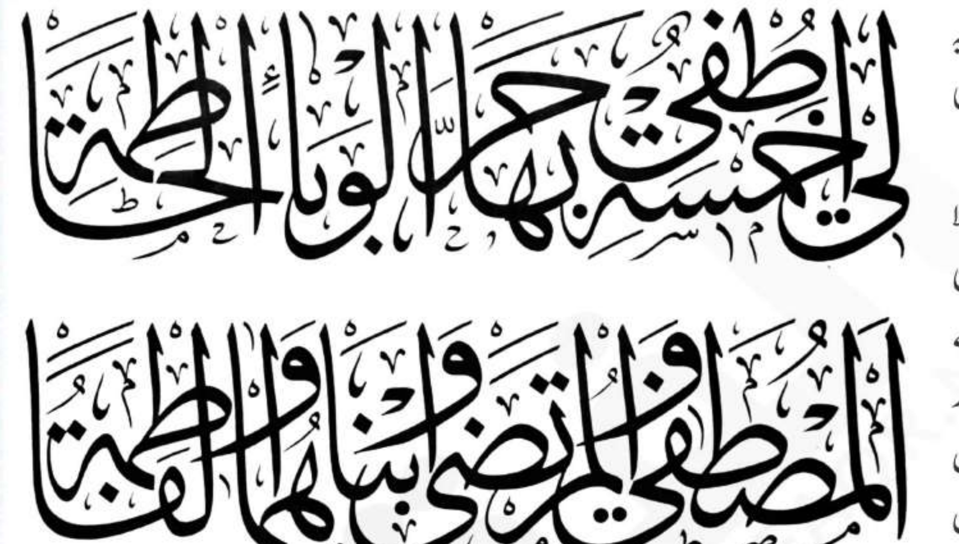

منصوبہ بند اور ارادی تھا- یوں، یزید کو بری الذمہ قرار دینے کے بجائے، یہ دلیل خود اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ یزید نے مکمل سیاسی شعور اور اخلاقی نتائج کے ادراک کے ساتھ یہ فیصلہ کیا- اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا، بلکہ وہ اس کا اصل ذمہ دار ہے-

پانچواں اعتراض معیاری اضافیت (normative relativism) کا سہارا لیتا ہے اور خبردار کرتا ہے کہ جدید سیاسی اور قانونی معیارات جیسے "کمانڈ ریسپانسبیلٹی" اور "ذمہ داری برائے تحفظ" (Responsibility to Protect - R2P) کو ساتویں صدی کے تناظر پر لاگو کرنا درست نہیں- اگرچہ تاریخی اضافیت (historical relativism) ایک اہم تحقیقی نقطۂ نظر ہے، لیکن یہ اس آفاقی اصول کو ختم نہیں کر سکتی کہ "ذمہ داری ہمیشہ اختیار کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے"- حتیٰ کہ ابتدائی اسلامی مصادر اور روایات میں بھی

ظالمانہ حکومت کی مذمت کی گئی اور خلفاء کی اخلاقی جواب دہی کو تسلیم کیا گیا- رسول اللہ (ﷺ) کے پیارے نواسے اور خاندان کا قتل کوئی معمولی یا متنازعہ واقعہ نہ تھا- یہ اپنے ہی دور میں ایک سنگین اخلاقی گراوٹ کے طور پر تسلیم کیا گیا تھا-

آخر میں، بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ کربلا کے واقعات اتنے انتشار کا شکار تھے کہ کسی ایک فرد پر واضح طور پر ذمہ داری ڈالنا مشکل ہے- وہ اس وقت کی منتشر قبائلی سیاست، ناقص مواصلاتی نظام اور غیر مرکزی حکمرانی کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں- اگرچہ غیر متوقع حالات لمحاتی الجھن پیدا کر سکتے ہیں، مگر وہ قائم شدہ اختیارات کی زنجیر کو ختم نہیں کرتے، یزید نے ابن زیاد کو مقرر کیا، جس نے آگے عمر ابن سعد کو بھیجا- شہداء کے سروں اور اسیرانِ اہل بیتؓ کی دمشق میں یزید کے دربار میں پیشی اور اس کے بعد یزید کی خاموشی یا طمانیت، اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ کنٹرول ختم نہیں ہوا تھا بلکہ پوری طرح موجود تھا- حقیقت یہ ہے کہ جب حالات انتشار کا شکار ہوں، تب ہی قیادت کی اخلاقی ذمہ داری اور زیادہ اہم ہو جاتی ہے تو یہاں پہ یہ نہیں کہا سکتا کہ یزید ناکام رہا بلکہ یزید جو چاہتا تھا وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب رہا-

مجموعی طور پر، ان تمام اعتراضات میں سے کوئی بھی بنیادی دلیل کو باطل نہیں کر پاتا- اکثر اعتراضات یزید کی شمولیت سے انکار نہیں کرتے بلکہ اس سے توجہ ہٹانے، اسے جواز دینے، یا تاریخی نسبت کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں- تاہم، سیاسی اقتدار، تاریخی نظائر اور اخلاقی ذمہ داری کے تناظر میں دیکھا جائے تو یزید کی شراکتِ جرم کا مقدمہ مضبوطی سے قائم رہتا ہے- جب اس معاملے کو صرف جذبات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ سیاسی فکر اور اخلاقی منطق کے اصولوں پر پرکھا جائے، تو ذِمہ دارایء کربلا کے نشانات بلا شبہ یزید کے تخت کو ہی جاتے ہیں-

اختتامیہ:

کربلا کا سانحہ صرف غم اور شہادت کی داستان ہی نہیں، بلکہ یہ سیاسی اقتدار، اخلاقی ناکامی اور حکمرانی کی ذمہ داری کا ایک زندہ مطالعہ ہے- اگرچہ تاریخی بیانیے مختلف ہو سکتے ہیں اور جذباتی وابستگیاں فیصلہ سازی کو متاثر کر سکتی ہیں، مگر منطق اور علم سیاسیات کے نظریات ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں جس پر ذمہ داری کا تعین کیا جا سکتا ہے- یزید، ایک مرکزیت یافتہ اور درجہ بندی پر مبنی خلافت کا حکمران ہونے کے ناطے، حضرت امام حسینؓ، ان کے اہلِ خانہ اور اصحاب کے قتل کو روکنے کی مکمل طاقت رکھتا تھا- اس کا ایسا نہ کرنا، دانستہ طور پہ تقرری کے فیصلے، سانحہ کے بعد خاموشی اور اس واقعے سے حاصل ہونے والا سیاسی فائدہ، اسے ایک غیر متعلق تماشائی نہیں بلکہ اس المیے کا ذمہ دار بناتے ہیں- چاہے وہ ویبر کے اقتدار کا نظریہ ہو، ہابز کی خودمختاری، جدید پرنسپل-ایجنٹ تھیوری ہو یا ”کمانڈ ریسپانسیبلٹی“ کا بین الاقوامی اصول، نتیجہ ایک ہی رہتا ہے کہ سانحہ کربلا کی ذمہ داری کا بوجھ یزید کے کندھوں پر ہے- اس حقیقت سے انکار، تاریخی غیر جانب داری کو بچانے کی کوشش نہیں، بلکہ ان اصولوں سے انحراف ہے جن کی بنیاد پر طاقت اور انصاف کو لازمی طور پہ پرکھا جانا چاہیئے-

☆☆☆

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا اقدامِ حریت فقہی وادراکی تجزیہ

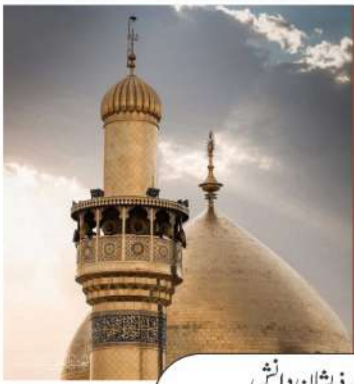

محمد ذیشان دانش
شریک لکھاری: مفتی محمد صدیق خان قادری

(حصہ اوّل)

بغاوت: لغوی واصطلاحی مفہوم

"بغاوت" عربی مصدر "البغی" سے مشتق ہے - لغوی اعتبار سے "بغی" کے دو بنیادی مفہوم پائے جاتے ہیں: طلب اور جستجو (یعنی کسی چیز کا خواہاں ہونا)

تعدّی اور ظلم (یعنی حد سے تجاوز کرنا یا زیادتی کرنا)-

فقہاء کی اصطلاح میں "بغاوت" سے مراد ایسی حکومت کے خلاف مسلح خروج کرنا ہے جو "شریعت یا مروجہ آئینی اصولوں" کے تحت جائز طور پر قائم ہوئی ہو اور جس کی اطاعت مسلمانوں پر لازم ہو - اس تناظر میں بغاوت صرف نافرمانی نہیں بلکہ ایک منظم اور مسلح مخالفت ہوتی ہے جو ریاستی نظم کو چیلنج کرتی ہے-

اسلامی روایت میں ریاست اور قیادت کی اصطلاحات:

اسلامی علمی ذخیرے، جیسے کہ حدیث، تفسیر، فقہ اور علمِ عقائد کی بنیادی کتب میں مسلم ریاست، حکومت اور اجتماعی نظم کے لیے جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، وہ محض الفاظ نہیں بلکہ ایک "مکمل فکری نظام" کی عکاس ہیں - ریاستی و اجتماعی نظام کیلیے عموماً "جماعت" اور "امارت" جیسے الفاظ اختیار کیے گئے، جبکہ حکمران کے لیے "خلیفہ"، "امیر" اور "امام" جیسے الفاظ استعمال ہوتے رہے ہیں، جو نہ صرف سیاسی قیادت بلکہ "دینی و اخلاقی راہنمائی" کے منصب کو بھی ظاہر کرتے ہیں - اسی مفہوم کو آقا کریم (ﷺ) نے ایک حدیث میں نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا:

"من خرج من الطاعة، وفارق الجماعة، فمات، مات ميتة جاهلية"

"جو شخص حکمران کی اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے علیحدہ ہو گیا، پھر اسی حالت میں مر گیا تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی"-

یہ ارشادِ نبوی اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ اجتماعی نظم اور قیادت کی اطاعت صرف سیاسی تقاضا نہیں بلکہ ایک "دینی فریضہ" بھی ہے - خلافت کا تصور ایک ایسے نظامِ حکومت کا ہے جو فقط سیاسی انتظام و انصرام تک محدود نہ ہو بلکہ "دینی قیادت" کا بھی ترجمان ہو-

گو کہ زیر نظر مضمون کے موضوع سے الگ ایک مکمل بحث ہے لیکن یہاں اس سے صرف ایک سوال ضرور توجہ چاہتا ہے کہ جس امیر کی اطاعت اور بیعت سے حضرت امام حسین نے انکار کیا، کیا اس کی حکومت "اسلامی" تھی؟ اور کیا حدیث میں بیان کردہ اصطلاحات کا مستحق وہ کسی طور بن سکتا ہے جس نے یہ کارہائے سیاہ سرانجام دیئے ہوں:

- حضرت رسول اللہ (ﷺ) کے خانوادے کا سفاکانہ قتلِ عام
- قرآن کی متعدد آیات بشمول آیتِ مباہلہ اور آیتِ مودت کے مصداق اور حدیثِ صحیح کے مطابق جس شخص کو رسول اللہ (ﷺ) نے شبابِ اہلِ جنت کی بشارت دی ہو اس شخص کے سرِ اقدس کی بدترین توہین کرنا
- خاندانِ نبوت کی قابلِ تحریم و تکریم بیبیوں کو قیدی بنانا اور صعوبتوں میں رکھنا
- سید العرب، افضل النسب حضرت رسول اللہ (ﷺ) کے نسب شریف کا تمسخر اڑانا
- جن حرمین کی حدود میں شکار اور درخت کاٹنا منع ہو ان حرمین الشریفین میں قتل وغارت کروانا
- حرمتِ مدینہ کو پامال کرنا، مسجد نبوی میں گھوڑے خچر بندھوانا، کئی دن تک مسجد نبوی میں اذان بند رکھوانا
- مکۃ المکرمہ پہ حملہ، عمارتِ کعبہ کو نقصان پہنچانا اور غلافِ کعبہ کا جل جانا

کیا ایسے امور کی مرتکب حکومت 'اسلامی حکومت' کہلانے کی مستحق ہے؟ اور ایسے حکمران کو "جائز حکمران" کہا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب اہلسنت و جماعت کی چوتھی فقہ کے بانی حضرت امام احمد ابن حنبل کی رائے سے معلوم ہوتا ہے جسے مقدسی نے الآداب الشریعہ میں اور شیخ الاسلام ابن حجر ہیثمی نے الصواعق

المحرقہ میں نقل کیا ہے کہ جب ان کے بیٹے عبد اللہ ابن احمد نے یزید کے بارے سوال کیا تو امام احمد نے فرمایا:

”میرے بیٹے! کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے اور پھر یزید سے بھی دوستی رکھے اور ایسے شخص پر میں (یعنی احمد ابن حنبل) لعنت کیوں نہ کروں جس پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود لعنت فرمائی ہو“۔

فرزند نے عرض کیا: قرآن میں کس جگہ اس پر لعنت ہوئی ہے؟

امام احمد نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں

”فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ“[1]

”تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں“۔

کیا رسول اللہ (ﷺ) کے نواسے حسین ابن علی کے قتل سے بڑھ کر بھی کوئی فساد ہو سکتا ہے؟“

اختصار کے پیشِ نظر اتنے پہ اکتفا کرتے ہوئے زیر نظر مضمون کے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

فقہاء کی نظر میں بغاوت اور باغی:

فقہائے احناف میں ایک قابل قدر نام علامہ ابن ہمامؒ ہے جن کے مطابق، آئینی و قانونی طور پر قائم حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والے کو ”باغی“ کہا جاتا ہے اور بغاوت کرنے والوں کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے:

1- راہزن اور لٹیرے: وہ لوگ جو (اسلامی) حکومت کی اتھارٹی کے خلاف خروج کرتے ہیں، عوام کا مال لوٹتے، قتل کرتے اور راستے بند کرتے ہیں۔ ان پر ”راہزن“ (محارب) کا حکم لاگو ہوتا ہے۔

2- تاویلی راہزن: وہ لوگ جو حکومت (آئینی و قانونی) کے خلاف غلط دینی جواز (تاویل) کے ساتھ بغاوت کرتے ہیں، مگر ان کے پاس قوت نہیں ہوتی۔ ان کا حکم بھی راہزنوں جیسا ہے: اگر قتل کریں تو قتل کیے جائیں، اور اگر مال لوٹیں تو شرعی سزائیں دی جائیں۔

3- خوارج: وہ جن کے پاس قوت، اجتماع اور جنگی تیاری ہو اور کسی مذہبی تاویل کی بنیاد پر (اسلامی) حکومت کو باطل سمجھ کر اس سے ٹکرلیں۔ ان سے قتال واجب ہے۔

4- باغی: وہ جو (اسلامی) حکومت کے خلاف مسلح اقدام کریں، مگر خوارج کی طرح قتلِ مسلم یا اموال و عورتوں کو حلال نہ سمجھیں۔ یہ ”باغی“ کہلاتے ہیں۔

علامہ ابن عابدینؒ الحنفی کے نزدیک باغی کی تعریف:

علامہ ابن عابدین کے مطابق ”باغی“ اُس گروہ کو کہا جاتا ہے جو ”مضبوط ٹھکانوں“ اور ”واضح طاقت“ کے بل پر ”منظم“ ہو کر ”اسلامی کی ریاست“ کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ وہ ایک خاص فکری یا دینی تاویل پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور حکومت کا اصل حقدار بھی وہی ہے۔

فقہائے مالکی میں سے امام محمد بن احمد بن جُزَی الکلبی الغرناطی اپنی کتاب القوانین الفقہیۃ میں فرماتے ہیں کہ:

”باغی وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود ساختہ دینی یا فکری تاویل کی بنیاد پر ”مسلم ریاست“ کے خلاف ہتھیار اٹھا لیتے ہیں، وہ ان فرائض کی ادائیگی بھی نہیں کرتے جو ایک پُرامن شہری پر لازم ہوتے ہیں، جیسے زکوۃ یا دیگر شرعی واجبات“۔

علامہ زکریا الانصاری الشافعی کے مطابق:

”باغی وہ لوگ ہیں جو کسی باطل یا غلط فکری تاویل کا سہارا لے کر، اپنی طاقت و قوت کے بل پر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ ایسے باغیوں کے خلاف جنگ کرنا واجب ہے تاکہ ریاستی نظم قائم رکھا جا سکے“۔

مزید یہ کہ:

”خوارج وہ گروہ ہے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ تاہم، ان کے خلاف اس وقت تک قتال (جنگ) نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ خود جنگ چھیڑ نہ دیں“۔

حنبلی فقہاء میں سے امام ابن ہبیرہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے ”باغیوں“ کی تعریف یوں کی ہے کہ:

”تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی طاقتور اور منظم گروہ کسی قابلِ تاویل شبہے کی بنیاد پر ”اسلامی حکومت“ کی اطاعت سے نکل جائے، تو ایسے گروہ کے خلاف قتال جائز

[1] (سورۃ محمد (ﷺ):22-23)

ہے، تاوقتیکہ وہ دوبارہ حکومتی نظم و اطاعت کو تسلیم نہ کر لیں-ابن ہبیرہ رحمہ اللہ کا یہ اقتباس اسلامی سیاسی فقہ کے ایک اہم اصول کو بیان کرتا ہے، یعنی:اگر کوئی منظم اور طاقتور گروہ تاویلی بنیاد پر حکومت کی رٹ (writ) کو چیلنج کرے، تو ''اسلامی ریاست'' کو اختیار ہے کہ وہ اس کے خلاف اقدام کرے''-

فقہی اصطلاحات کی روشنی میں بغاوت کے اقدام اور اصول:

فقہی اصطلاحات میں ''راہزن'' (محارب)، ''تاویلی راہزن''، ''خوارج'' اور ''باغی'' کے جو تصورات سامنے آتے ہیں، ان سب میں ایک بنیادی عنصر مشترک ہے: ریاستی نظم کے خلاف مسلح بغاوت، عوام کے مال و جان کو نقصان پہنچانا، یا ریاست کے خلاف جنگی اقدام- (حکومت سے اختلاف رکھنا بغاوت نہیں) فقہاء کی تعریف کے مطابق باغی وہ ہے جو:

- جو قوت اور ٹھکانوں کا مالک ہو
- عوام کو نقصان پہنچائے
- ریاست کے خلاف منظم طور پر ہتھیار اٹھائے
- کسی فکری یا دینی تاویل کی بنیاد پر حکومت (ریاست) کا انکار کرے اور اپنی طاقت کے بل پر کھڑا ہو اور خود کو اقتدار کا اصل حقدار سمجھے
- ریاستی فرائض سے انکار جیسے زکوۃ وغیرہ ادا نہ کرنا

اب اگر فقہاء کی تعریف کی روشنی میں بغاوت کو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے اقدام پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ آپؓ ان میں سے کسی بھی تعریف کے تحت ''باغی'' یا ''محارب'' قرار نہیں دیئے جاسکتے-

امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے عوام کا مال یا جان نقصان نہیں پہنچایا:

فقہی طور پر جو لوگ قتل، لوٹ مار اور دہشت پھیلائیں، وہ ''محارب'' یا ''راہزن'' کہلاتے ہیں- امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا کردار سراسر قربانی، صبر اور عدمِ تشدد پر مبنی تھا- آپؓ نے کسی شہری، کسی قافلے، کسی سپاہی کو نقصان نہیں پہنچایا-

آپؓ کے ساتھ کوئی مسلح ریاستی قوت یا منظم لشکر نہ تھا

فقہاء کے مطابق ''باغی'' وہ ہوتا ہے جس کے پاس منظم لشکر، افرادی قوت اور ٹھکانے ہوں- امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تو صرف چند اہلِ بیت اور اصحاب تھے- آپؓ نے کربلا پہنچ کر نہ جنگ کی ابتدا کی، نہ کسی حملے کا حکم دیا تھا-

بغاوت کی تعریف پر فقہی نقطہ نظر سے ایک طائرانہ جائزہ:

شرط	فقہی تعریف	حضرت امام حسینؓ
ریاست کے خلاف منظم اور طاقتور گروہ	ہاں	ریاست کے خلاف کوئی گروہ نہ تھا
ہتھیار اٹھانا یا پہل کرنا	ہاں	آپؓ نے پہل نہیں کی بلکہ آپؓ پر جنگ مسلط کی گئی
حکومتی نظم کو توڑنا	ہاں	آپؓ نے کوئی ریاستی نظم نہیں توڑا اس کے باوجود کہ یزید کو حکمران نہیں مانتے تھے
شہری فرائض و دینی امور سے انکار	ہاں	آپؓ نے کسی بھی ذمہ داری اور فرض سے انکار نہیں کیا
فکری تاویل کے تحت خروج	ہاں	آپؓ نے کوئی فکری تاویل پیش نہیں کی بلکہ فرمایا کہ میں ظلم و فساد کیلئے نہیں اصلاح امت کیلئے نکلا ہوں اور یزید کی بیعت نہیں کر سکتا-

اہلِ سنت کے جلیل القدر فقہاء جیسے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے ہاں ایسی حکومت جو ظالم، فاسق اور شریعت کے خلاف ہو، اس کی اطاعت واجب نہیں- یزید کی حکومت کو تو خود صحابہ، تابعین اور علماء کی اکثریت نے قبول نہ کیا- اس لیے امام حسینؓ کا اس سے انکار بغاوت نہیں بلکہ شرعی غیرت کا مظہر تھا-

(حصہ دوئم)

ادراکی نقطہِ نظر (Cognitive Theory)

ادراکی نقطہ نظر انسانی سوچ اور فیصلہ سازی کے بارے میں نفسیات کو بنیاد بناتا ہے- یہ طریق مانتا ہے کہ افراد اپنے ماحول کو مختلف انداز سے دیکھتے ہیں اور اپنے مخصوص ''نفسیاتی ماحول'' کے اندر رہ کر عمل کرتے ہیں- اس کے مطابق ہر فرد اپنی نشو و نما کے دوران مادی اور سماجی ماحول کے بارے میں عقائد اور ذاتی تصورات کا ایک مجموعہ قائم کرتا ہے- یہ عقائد اسے ایک نسبتاً مربوط طریقہ سے ارد گرد کے ماحول سے حواس کے ذریعے حاصل ہونے والے مختلف اشاروں اور علامات (حالات و واقعات) کو سمجھنے اور منظم کرنے میں معاون ہوتے ہیں- دوسرے الفاظ میں، ''ادراک'' (cognition)

یعنی ذہن کے اندر جاری عمل، وہ عقائد اور تصورات پیدا کرتا ہے جو ہمیں اپنے ماحول کو سمجھنے اور اس کا مطلب اخذ کرنے کے قابل بناتے ہیں- یہ مطلب ہمارے اپنے تجربات اور عقائد پر مبنی ہوتے ہیں-

حضرت امام حسینؓ کا ادراکی تناظر (Cognitive Environment):

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے جو مؤقف اختیار کیا، وہ ان کے ذاتی عقائد، دینی شعور، اخلاقی بصیرت اور اسلامی سیاسی اصولوں کی گہری بنیاد پر تھا- ان کا ادراک یہ تھا کہ:

- یزید کی حکومت (عملاً) اسلامی اقدار اور خلافتِ راشدہ کے اصولوں سے انحراف کر چکی ہے-
- اقتدار شخصی مفاد، ظلم، بدعنوانی اور دین کے استحصال کا ذریعہ بن چکا ہے-
- ایک فاسق حکمران کی بیعت کرنا، دین کی روح کے خلاف ہے-

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے لیے یہ محض ایک سیاسی مسئلہ نہ تھا، بلکہ ایک اخلاقی اور دینی ذمہ داری تھی جس کا تعلق حق و باطل کی تمیز سے تھا- ان کا "نفسیاتی ماحول" (psychological environment) رضائے الٰہی، رسول اکرم (ﷺ) کی سنت، امن کا حصول، دنیا سے بے رغبتی اور شہادت کی عظمت سے تشکیل پایا تھا- اس کے برعکس یزید کے فیصلے اور طرزِ حکومت، غالباً طاقت، اقتدار کے تحفظ، سیاسی جبر اور ملوکانہ و آمرانہ سوچ پر مبنی تھے- اس کا "ادراک" یہ تھا کہ:

- اقتدار کو بچانے کیلئے کسی بھی طرح کی مخالفت کو دبانا ضروری ہے-
- سید العرب افضل النسب پیغمبرِ اسلام (ﷺ) کے نواسے حضرت امام حسینؓ کی مقبولیت ایک سیاسی خطرہ بن سکتی ہے، جسے روکا جانا چاہیے-

اس کے "ادراکی ماحول" میں اقتدار کی مرکزیت، ذاتی مفاد اور خوف پر مبنی فیصلہ سازی نمایاں تھی جو کہ Cognitive theory کے مطابق ایک مخصوص ذہنی فریم ورک کا نتیجہ ہوتی ہے-

پہلو	امام حسین (رضی اللہ عنہ)	یزید
ادراکی بنیاد	دینی، اخلاقی، روحانی، اجتماعی اور شریعت	جابرانہ سیاسی، شخصی اور بدعت والحاد
فیصلہ سازی کا محرک	حق کا قیام، دین کی بقا	اقتدار کا تحفظ، جبری بیعت واطاعت
نفسیاتی ماحول	تقویٰ، شعور، قربانی	ذاتیات، حمیتِ جاہلیہ، خوف وجبر
عمل کی نوعیت	پُرامن انکار، احتجاج، شہادت	رشوت، سیاسی دباؤ، قتل وغارت گری

ادراکی نقطہ نظر ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا اقدام کسی وقتی جذبات یا سیاسی بغاوت کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ ایک گہری فکری، اخلاقی اور دینی ادراک کا اظہار تھا- اس کے برعکس، یزید کا رویہ ایک ساختیاتی (structural) جبر اور نفسیاتی خوف کی بنیاد پر تھا، جو انسانوں کی سوچ اور فیصلوں پر اثر انداز ہونے والے منفی cognitive biases کا مظہر تھا- لہٰذا، Cognitive theory کے مطابق حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی قربانی ایک اعلیٰ شعوری اور اخلاقی فیصلہ تھا، نہ کہ بغاوت یا طاقت کی جدوجہد- اس تھیوری کے مطابق حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی اپروچ عقلی، منطقی اور حقیقت پسند تھی آپ حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے آپ کی فہم و فراست یہ بتا رہی تھی کہ یزید حکومت آنے والے دنوں میں اسلامی اصولوں کو مسخ کر دے گی جس کا ثبوت واقعہ حرہ کی صورت میں رُونما ہوا-

تشدد (Violence):

تشدد کو یوں تعریف کیا جا سکتا ہے کہ: "اپنی خواہشات یا ترجیحات کو حاصل کرنے کے لیے دوسروں کو نقصان پہنچانا"- امن (Peace) محض تشدد کی غیر موجودگی کا نام ہے- اگرچہ مکمل یا مطلق امن حاصل کرنا ممکن نہیں، لیکن امن کو ایک بامعنی ہدف کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے- امن کیلئے کام کرنے کا مطلب ہے تشدد میں کمی کے لیے کوشش کرنا- منفی امن (Negative Peace) سے مراد صرف جسمانی تشدد کا خاتمہ ہے، جبکہ مثبت امن (Positive Peace) وہ حالت ہے جس میں ہر قسم کے تشدد — جسمانی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی — کا خاتمہ ہو- یہ بات بھی اہم ہے کہ امن کا مطلب اختلاف (Conflict) کی غیر موجودگی نہیں ہے- بلکہ ایسا اختلاف جو احسن طریقے سے سنبھالا جائے، معاشرتی طور پر مفید اور تعمیری ثابت ہو سکتا ہے- تشدد کی دو اقسام ہیں ایک جسمانی تشدد (Physical violence) براہِ راست (Direct) تشدد جبکہ دوسرا ساختی یا بالواسطہ (Structural

or Indirect) تشدد، معاشی، سیاسی اور ثقافتی تشدد ساختی یا بالواسطہ تشدد کی شکلیں ہیں۔ساختی تشدد وہ نقصان ہے جو کچھ افراد دوسروں پر بالواسطہ طور پر سماجی نظام کے ذریعے اس وقت ڈالتے ہیں جب وہ اپنی ترجیحات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلو	امام حسین (رضی اللہ عنہ)	یزید
رویہ	تشدد سے مکمل اجتناب، حتیٰ کہ شہادت قبول کی	اقتدار کی خاطر ہر حد پار کی، قتل، قید، ظلم
امن کی تعریف پر عمل	مثبت امن کے مظہر، جان و مال کی قربانی دے کر جسمانی، سیاسی، سماجی، تشدد کا مقابلہ	ساختی و جسمانی تشدد کے ذریعے طاقت کا تحفظ، سفاک کارندوں کا تقرر
ساختی تشدد	اس کے خلاف مزاحمت کی، جیسے فاسق حکمران کی اطاعت سے انکار	حکومتی نظام کو ذاتی مفاد، خوف اور جبر سے آلودہ کیا
جسمانی تشدد	نہ شروع کیا، نہ اجازت دی، بچوں، جوانوں اور ساتھیوں کی قربانی دی	اہل بیتؑ اور ان کے ساتھیوں پر ظلم، قتل، جھوٹے بیانیہ اور اسیری کو ہتھیار بنایا
سیاسی ترجیح	خلافت کو عدل، شریعت، اور اصولوں کے تابع رکھنا	اقتدار کو شخصی ملکیت سمجھنا، شرعی حدود سے آزاد
عمل کا اخلاقی پہلو	اعلیٰ درجے کا اخلاقی احتجاج، پرامن انکار، دعوتِ اصلاح	سیاسی جبر، مذہبی تحریف اور طاقت کا اندھا استعمال

اگر موجودہ تشدد کی تعریف کو سامنے رکھیں تو کسی بھی عمل سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ حضرت امام حسینؓ کا کوئی بھی عمل تشدد کے زمرے میں آتا ہو بلکہ آپؓ اور آپؓ کے خاندان کا مسلسل عمل، امن اور بقائے اسلام کی خاطر قربانی دینے کی تاریخی گواہی سے بھرا ہے اس کے برعکس یزید کا حسی ادارک اور عمل اور اس کی اپنی خواہشات اور ترجیحات کو حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو جسمانی، معاشی، سیاسی، نقصان پہنچانے کا بیّن ثبوت ہے۔

بدقسمتی سے "مابعدِ نوآبادیات کی اسلامی دُنیا" میں چند لوگ ایسے ہیں جو اسی سوچ کو اپناتے ہوئے سیدنا امام حسینؓ کی عظمت، وقار اور حق پر قائم رجلِ حریت کی حیثیت پر سوال اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ یزید، ابن زیاد، ، عمر ابن سعد، شمر اور دیگر مخالفین کے اقدام کو جواز فراہم کرتے ہیں اور نواسہ رسولؐ کو نعوذ باللہ "سیاسی باغی" قرار دیتے ہیں۔حالانکہ حضرت امام حسینؓ کی حیثیت بطور ہیرو قانون، ثقافت، تاریخ سے مسلمہ ہے۔

مخالفینِ حسین کے متعصبانہ بیانیے کی کی کوئی عقلی، علمی، منطقی، اخلاقی، تاریخی، ثقافتی و تہذیبی حیثیت نہیں ہے۔یہ اس دنیا میں بھی ایک پسماندہ اور گراہوا بیانیہ ہے اور آخرت میں بھی اللہ کے حضور اور سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روبرو سوائے ندامت ورسوائی کے کچھ لانے والا نہیں۔

اسی فساد آلود ذہنیت کی وجہ سے ملکِ پاکستان پہلے ہی مذہبی منافرت جیسے واقعات کی وجہ سے ناقابلِ تلافی نقصان اٹھا چکا ہے۔ صرف 2009 سے 2013 کے درمیان پاکستان میں 1000 سے زائد افراد فرقہ وارانہ حملوں میں جاں بحق ہوئے۔[2] یہ فسادات نہ صرف انسانی جانوں کا ضیاع ہیں، بلکہ ریاستی وسائل، امن و امان اور قومی سلامتی کو بھی شدید متاثر کرتے ہیں۔

نتیجہ:

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا عمل فقہاء، اقوام متحدہ یا تشدد کی جدید تعریفات کے مطابق ہرگز بغاوت نہیں تھا۔یزید نے ذاتی مفادات کے لیے ظلم و جبر کا سہارا لے کر اہلِ بیتؑ کو نشانہ بنایا اور ایک جھوٹا بیانیہ قائم کیا۔امام حسینؓ کی قربانی اسلام کی بقا، عدل و حق کی سربلندی اور شریعت کے احیاء کے لیے تھی، نہ کہ احصولِ قتدار کے لئے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین کا کربلا کا قیام نہ "محاربت" تھا، نہ "بغاوت" نہ "خروج"۔بلکہ وہ احیائے دین، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور شریعتِ محمدی کے تحفظ کے لیے ایک پر امن، مگر جری اقدام تھا۔ آپؓ کے اقدامات بغاوت کے زمرے میں نہیں آتے، بلکہ یہ ظلم و زبردستی کے خلاف قیام و حریت کا کامل نمونہ ہیں۔

☆☆☆

[2] M. Kalin and N. Siddiqui, "About the RepoRt SPECIAL REPORT Religious Authority and the Promotion of Sectarian Tolerance in Pakistan," 2014, Accessed: Jun. 09, 2025. [Online]. Available: www.usip.org

اہلِ سنت میں امام حسنؓ و امام حسینؓ کا مقام:

ابتدائیہ:

اہلِ سنت اسلامی روایت کا علمی و روحانی بھی اور عددی اعتبار سے بھی سب سے بڑا طبقہ ہے جو تاریخی طور پر عقائد، فقہ اور روحانیت کے مختلف اور متنوع انداز کا حامل رہا ہے- قرآن مجید، رسول اللہ (ﷺ) کی سنت، اور چار بڑے فقہی مکاتبِ فکر، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی تشریحات پر قائم اہلِ سنت نے تفسیر و حدیث، فقہ، علمِ کلام اور تصوف کے درمیان ایک متحرک اور ہم آہنگ تعلق کو برقرار رکھا ہے- اسلام کا روحانی پہلو یعنی تصوف اہلِ سنت کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے جس نے مسلم معاشروں میں عبودیت اور اخلاقی طرزِ زندگی کو نمایاں طور پر متاثر کیا ہے-[1]

اہلِ سنت میں جن ہستیوں کو سب سے زیادہ عزت و احترام حاصل ہے، اُن میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ شامل ہیں- یہ دونوں عظیم شخصیات، رسول اللہ (ﷺ) کے نواسے ہیں، بنتِ رسول اللہ (ﷺ) حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہؓ اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے صاحبزادے ہیں- ان دونوں ہستیوں کو بشاراتِ نبویہ (ﷺ)، اِن کے حسب و نسب، تقویٰ، اعلیٰ اخلاق اور عظیم قربانی کے باعث اعلیٰ مقام حاصل ہے- یہ مضمون حضراتِ حسنین کریمینؓ سے متعلق اہلِ سنت کے تین تاریخی ادوار یعنی قبل از نوآبادیات، نوآبادیات اور بعد از نوآبادیات میں رجحانات اور ان میں تغیر کا جائزہ لے گا- اس میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ سماجی و سیاسی دباؤ، نوآبادیاتی حکمتِ عملی اور جدید نام نہاد مصلحانہ (reformist) تحریکوں نے محبتِ اہلِ بیت کے روحانی و علمی ورثہ کے ساتھ اہلِ سنت کے تعلق کو کس طرح متاثر کیا-

نوآبادیاتی دور سے پہلے کا سُنی اسلام:

نوآبادیاتی دور سے پہلے کا زمانہ، جو تقریباً آٹھویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک محیط ہے، اہلِ سنت کے فکری، ادارہ جاتی اور ثقافتی تنوع کے اعتبار سے ایک زرخیز دور تھا- چاروں فقہی مکاتب یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی دنیا کے مختلف خطوں میں رائج تھے اور اکثر اوقات ایک ہی ریاست میں بھی باہم موجود رہتے تھے- اجتہاد، علمِ کلام اور تصوف دینی زندگی کے مربوط پہلوؤں کے طور پر ایک ساتھ موجود رہے- صوفی سلاسل، خصوصاً قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، رفاعیہ اور شاذلیہ، روحانی اور سماجی و سیاسی اثر و رسوخ کے حامل تھے- ان سلاسل نے تعلیم، اجتماعی شناخت اور اخلاقی رویوں کو فروغ دیا-[2]

تصوف کا اہلِ سنت کے دینی طرزِ زندگی میں انضمام زمانہء تابعین سے شروع ہو کر امام الغزالی تک بامِ عروج پہ جا پہنچتا ہے- ان کی مشہور کتاب احیاء علوم الدین میں یہ مؤقف پیش کیا گیا ہے کہ روحانی تطہیر کے بغیر محض ظاہری شریعت کی پیروی سے دین نامکمل رہتا ہے-[3] اس دور میں علماء (فقہاء) اور صوفی مشائخ کے مابین تعلق اکثر باہمی تعاون پر مبنی ہوتا تھا، جہاں تعلیم و تربیت اور فقہی رہنمائی کے میدانوں میں ان کے کردار ایک دوسرے سے باہم جڑے ہوئے تھے- خانقاہیں اور صوفی زاویے حصولِ علم، خیرات بانٹنے اور سماجی یکجہتی کو فروغ دینے کے مراکز کے طور پر کام کرتے تھے جنہیں شرق تا غرب مسلم حکمرانوں کی طرف سے ایک مستحکم اور معاشرتی نظم قائم رکھنے والے اداروں کے طور پر نہایت احترام حاصل ہوتا تھا[4]- عامۃ الناس کے ساتھ ساتھ مختلف مملکتوں کے شہزادوں کو اخلاقی، روحانی اور سماجی تربیت کیلئے صوفیائے کرام کی صحبتوں میں رکھا جاتا تھا-

قبل از نوآبادیاتی دور میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا مقام:

اس دور میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو اہلِ سنت کی اجتماعی فکر میں کسی اختلافی رائے کے بغیر بلند مقام حاصل تھا- ان کا ذکر خطباتِ جمعہ میں، کتبِ عقیدہ، تذکروں تاریخوں، ادبی تحاریر اور مذہبی شاعری میں کثرت سے ذکر کیا جاتا تھا، جہاں انہیں رسول اللہ (ﷺ) کی روحانی وراثت کا مظہر سمجھا جاتا تھا- حضرت امام حسنؓ کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کو اہلِ سنت علماء نے بشارتِ رسول (ﷺ) کی حقانیت اور امتِ

[1] Ernst, C. (1997) *The Shambhala Guide to Sufism*. Boston: Shambhala.
[2] Trimingham, J. S. (1971) *The Sufi Orders in Islam*. Oxford: Oxford University Press.
[3] Ghazali, A. H. M. (2001) *The Revival of the Religious Sciences (Ihya Ulum al-Din)*, trans. by N. A. Faris. Lahore: Ashraf Press.
[4] Berkey, J. (2003) *The Formation of Islam: Religion and Society in the Near East, 600–1800*. Cambridge: Cambridge University Press.

اسلامی کی عظیم ترین خیر خواہی و دور اندیشی کا عمل قرار دیا جس کا مقصد امتِ محمدیہ کا خانہ جنگی سے بچاؤ تھا۔[5] دوسری جانب، امام حسینؑ کی شہادت کو کربلا میں ظلم و جبر کے خلاف حریت و بقائے اسلام کی ایک عظیم جدوجہد اور فیصلہ کن قربانی کے طور پر یاد کیا جاتا تھا۔

اہلِ سنت مؤرخین، جیسے امام ابن عساکر اور ابن کثیر نے واقعہ کربلا کو نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ قلمبند کیا اور امام حسینؑ کے اخلاق، وقار اور عظمت کو اجاگر کیا۔ حدیث کی مشہور کتب جیسے صحیح بخاری، میں وہ روایات شامل ہیں جن میں حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں"۔[6]

کتبِ صحاح کی ایسی روایات نے اہلِ سنت میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے تقدس اور حرمت کو مزید مضبوط کیا۔

صوفی شعراء جیسے مولانا جلال الدین رومی اور شیخ فرید الدین عطار نے واقعہ کربلا کو روحانی سفر کی تمثیل کے طور پر پیش کیا جہاں امام حسینؑ کی مزاحمت کو نفسِ امارہ کے خلاف روح کی جدوجہد سے تعبیر کیا گیا۔ شہادتِ حسینؑ کو اہلِ سنت کی اکثریت والے خطوں، جیسے برصغیر پاک و ہند میں، عقیدت سے یاد کیا جاتا تھا اور محرم الحرام میں مدارس اور خانقاہوں میں شہدائے کربلا کے عرس اور ختم کی محافل منعقد کی جاتی تھیں [7]۔ بڑے بڑے اہلسنت علما و مشائخ نے حضرات حسنین کریمین کی مدحت و منقبت میں قصیدے، مثنویاں اور دیگر اصنافِ سخن میں لازوال شاعری تخلیق کی۔ اس بات سے متصل یہ امر جاننا دلچسپی سے خالی نہیں کہ صوفی روایت کے اولین عظیم شعراء میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین اجمیریؒ ہیں جن کا مصرعہ اہلسنت کی زبانوں پہ محاورے کی طرح گردش کرتا ہے "سر داد نداد دست در دستِ یزید"۔ جبکہ اس صوفیانہ فارسی شعری روایت کے آخری عظیم شاعر علامہ اقبال ہیں جنہوں نے امام حسین کو سعیءِ حضرت موسیٰ کا تسلسل کہا اور یزید کو فرعونی روایت کا نمائندہ کہا۔

نوآبادیاتی دور میں اہلِ سنت:

اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر سے جب یورپی استعمار نے مسلم سرزمینوں پہ قدم جمانا شروع کیا تو اس نے اسلامی معاشروں میں گہرا ارتعاش پیدا کیا۔ ہندوستان، شمالی افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ میں نوآبادیاتی طاقتوں نے اسلامی اداروں پر کنٹرول حاصل کرنے اور ان کی سمت تبدیل کرنے کی کوشش کی تاکہ سیاسی استحکام قائم رکھا جا سکے اور نوآبادیاتی تسلط کے خلاف کسی بھی ممکنہ مزاحمت کو روکا جا سکے۔[8]

مثال کے طور پر برصغیر میں برطانوی حکومت نے اُن سخت گیر نام نہاد اصلاح پسند اسلامی تحریکوں کی حمایت کی جو لوتھرانیت (Lutheranism) سے متاثر ہو کر متن کی ظاہریت اور قانونی شدت پسندی پر زور دیتی تھیں، کیونکہ ایسے رجحانات نوآبادیاتی طرزِ حکمرانی سے ہم آہنگ تھے۔ ان تحریکوں نے عوام میں معروف تصوف اور اُن اقدار سے خود کو الگ کر لیا جو نظریاتی طور پر عوام کو مجتمع اور متحرک کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔[9] اس کے متبادل میں ان نام نہاد مصلحانہ تحریکوں کو ریاست کی منظور شدہ دینی درسگاہوں، عدالتی عہدوں، منظم تحریکی ڈھانچوں اور طباعت و نشر و اشاعت کے ذرائع تک رسائی حاصل ہوئی۔

نوآبادیاتی مداخلت کے ردِ عمل اور حضرت امام حسین کے درسِ حریت کے تسلسل میں مختلف صوفی سلاسل مزاحمت کے مراکز بن گئے۔ ہندوستان میں اس کی سب سے نمایاں مثال 1857ء کی جنگِ آزادی ہے، جسے عام طور پر پہلی جنگِ آزادی قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا فضلِ حق خیرآبادی، جو ایک جید صوفی عالمِ دین تھے، انہوں نے مزاحمت کا فتویٰ جاری کیا اور شمالی ہندوستان بھر میں عوامی حمایت کو منظم کیا اور انہوں نے برطانوی راج کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح سندھ میں قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے تیسرے پیر پگارا، حضرت حزب اللہ شاہ راشدی نے سنہ 1880 میں برطانوی راج کے خلاف بغاوت کی۔ مختلف سلاسل سے وابستہ صوفیاء نے مسلمانانِ ہند کی آزادی کیلئے کربلا کے واقعے سے مزاحمت کا سبق اخذ کیا اور عملی جدوجہد کی۔

اسی دوران، صوفیاء کی قیادت میں ہونے والی مزاحمت نوآبادیاتی حکومتوں کیلیے ایک حقیقی خطرہ بن گئی۔ شیخ الحدّاد کی قیادت میں الجزائر میں 1871 کی رحمانیہ بغاوت کو فرانسیسی حکومت کی جانب سے قتلِ عام اور صوفیاء کی املاک کی ضبطگی کے ذریعے انتہائی

[5] Ibn Kathir, I. (2003) *Al-Bidaya wa'l-Nihaya*. Beirut: Dar al-Fikr.
[6] Al-Bukhari, M. I. (1997) *Sahih al-Bukhari*, Beirut: Dar Ibn Kathir.
[7] Schubel, V. (1993) *Religious Performance in Contemporary Islam: Shi'i Devotion in South Asia*. Columbia: University of South Carolina Press.
[8] Metcalf, B. D. (1982) *Islamic Revival in British India: Deoband, 1860–1900*. Princeton: Princeton University Press
[9] Zaman, M. Q. (2002) *The Ulama in Contemporary Islam: Custodians of Change*. Princeton: Princeton University Press.

سفاکی سے کچلا گیا۔[10] اس سے پہلے، باکمال اور بااثر رہنما اور صوفی شیخ، امیر عبدالقادر الجزائری نے 1832 میں فرانسیسی استعمار کے خلاف ایک منظم اور متحدہ مزاحمت کی قیادت کی۔ انہوں نے قادریہ صوفی سلسلے کی روحانی روایت اور قبائلی اتحاد پر انحصار کرتے ہوئے اسلامی اصولوں پر مبنی ابتدائی ریاست قائم کی۔ تاہم، 1847ء میں انہیں جلاوطنی پر مجبور کیا گیا۔ ان کی قیادت میں عسکری مہارت کے ساتھ ساتھ تصوف میں گُندھی اعلیٰ اخلاقی اور روحانی وابستگی بھی نمایاں تھی۔[11]

لیبیا میں سنوسی سلسلے نے عمر مختار کی قیادت میں اطالوی استعمار کے خلاف مسلسل مزاحمت کی جو 1931ء میں عمر مختار کی شہادت پر اختتام پذیر ہوئی ۔[12] صومالیہ میں، برطانوی اور اطالوی افواج نے درویش تحریک پر شدید حملے کیے، جس کی قیادت شاعر اور جنگجو سید محمد عبداللہ حسن کر رہے تھے جنہوں نے صوفیانہ خطابت کو مزاحمتی تحریک کا ذریعہ بنایا۔[13] قفقاز کے علاقے میں نقشبندی صوفی رہنما امام شامل نے داغستان اور چیچنیا میں روسی سامراجی توسیع پسندانہ عزائم کے خلاف کئی دہائیوں پر مشتمل گوریلا جنگ کی قیادت کی، جہاں انہوں نے دینی اتھارٹی کو عسکری حکمتِ عملی کے ساتھ جوڑ کر عوامی مزاحمت کو منظم کیا۔[14]

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا مقام: نو آبادیاتی اثرات

نو آبادیاتی حکمران ایسی مذہبی علامات سے چوکنا رہتے تھے جو عوام میں بغاوت کے رجحانات کو جنم دے سکتی تھیں۔ امام حسینؓ کی شہادت، جو ظلم کے خلاف حق پر مبنی مزاحمت کی علامت تھی، انہیں سیاسی طور پر بغاوت انگیز محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ برطانوی حکام نے ہندوستان میں محرم الحرام کے معمولات پر پابندیاں عائد کیں کیونکہ انہیں مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور نو آبادیاتی حکومت کے خلاف جذبات ابھرنے کا خدشہ تھا۔[15]

نو آبادیاتی پالیسیوں نے صوفیانہ معمولات و روایات کو دبانے کی کوشش کی جن میں فضائل و مناقبِ اہلبیت اور مزارات پر عرس اور ختم کی صورت میں ادا کی جانے والی متعلقہ رسومات شامل تھیں۔ نام نہاد اصلاح پسند علماء، جن میں سے بعض نو آبادیاتی سرپرستی میں تھے، انہوں نے نو آبادیاتی ایجنڈا "لوتھرانیت" کے تحت ایسی صوفیانہ روایات کو بدعت قرار دے کر تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا نتیجتاً ایک اہم نظریاتی تبدیلی آئی جس نے "مین اسٹریم" سنّی اسلام کو اہل بیت سے وابستہ عوامی مذہبی رجحان سے الگ کرنا شروع کیا۔[16]

نو آبادیاتی نصاب میں حضرت امام حسینؓ جیسی تاریخی شخصیات کو اکثر نظر انداز کیا گیا اور جہاں نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا وہاں غیر اہم انداز میں پیش کیا گیا۔ ان حکمتِ عملیوں سے اہلسنت تدریس و تعلیم اور عوامی یادداشت کو ان ہستیوں کے انقلابی اور اخلاقی پہلوؤں سے دانستہ طور پہ دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

نو آبادیاتی دور کے بعد سنّی اسلام:

آزادی کے بعد مسلم معاشروں میں نظریاتی تقسیم پیدا ہوئی۔ سیکولر قوم پرستی، سیاسی اسلام اور سخت گیر نام نہاد مصلحانہ تحریکیں مذہبی شناخت کو تشکیل دینے کے لیے باہم متصادم ہو گئیں۔ کئی ریاستوں میں اسلامی اداروں کو یا تو قوم پرست حکومتوں نے اپنے ماتحت کر لیا یا انہیں دیوار سے لگا دیا۔ اس دوران بہت سے ممالک اور تحاریک اشتراکیت کے نظریات سے بھی متاثر ہوئے۔ نیو امپیریئل فورسز کے نظریات بہت سی جگہوں پہ سبقت لے گئے۔ ایسے میں اشتراکیت بمقابلہ سرمایہ داری، جمہوریت بمقابلہ دیگر رائج نظام کے مباحث معاشروں میں حاوی ہو گئے اور اصل نظریات سے توجہ ہٹنے لگی۔

ایک اور اہم پیشرفت یہ ہوئی کہ تیل سے دریافت شدہ نو دولتی وسائل کو بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت کے ذریعے انتہا پسندانہ نظریات اور حسینی مزاحمت کے استعارے کی مخالفت کے فروغ کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس مابعد نو آبادیاتی نظریاتی رجحان نے تصوف اور اس کی کئی اقدار کی تکفیر کی۔ "سرد جنگ" کی پیدا کردہ صورتحال میں جو عالمی اتحاد بنے ان میں نو آبادیاتی عہد میں اسلامی ممالک میں پروان چڑھائی گئی "لوتھرانیت" ایک بار پھر سابقہ دوستوں کی صف میں کھڑی ہو گئی، جس کا اظہار امریکہ کی سابق سیکریٹری آف سٹیٹ ہیلری کلنٹن بھی کر چکی ہیں۔ جس کے نتیجے میں دنیائے اسلام کے مختلف خطوں اور ممالک میں ایک اقلیتی تعداد پیدا ہوئی جو اہلسنت

[10] Ruedy, J. (2005) *Modern Algeria: The Origins and Development of a Nation*. 2nd ed. Bloomington: Indiana University Press.
[11] Ruedy, J. (2005) *Modern Algeria: The Origins and Development of a Nation*. 2nd ed. Bloomington: Indiana University Press.
Abu-Rabi', I. (2003). "Emir Abdelkader and the Islamic Ideal of Coexistence." Islamic Studies, 42(4), pp. 621–640.
[12] Anderson, L. (1986) *The State and Social Transformation in Tunisia and Libya, 1830–1980*. Princeton: Princeton University Press.
[13] Samatar, S. S. (1989) *Oral Poetry and Somali Nationalism: The Case of Sayyid Mahammad Abdille Hasan*. Cambridge: Cambridge University Press.
[14] Gammer, M. (2006). *The Lone Wolf and the Bear: Three Centuries of Chechen Defiance of Russian Rule*. London: Hurst. *(for Imam Shamil)*
[15] Robinson, F. (1975) 'The British Empire and Muslim Identity in South Asia', *Modern Asian Studies*, 9(3), pp. 271–287.
[16] Green, N. (2012) *Terrains of Exchange: Religious Economies of Global Islam*. London: Hurst.

کے مرکزی دھارے کی اہلبیت خاص کر حضراتِ حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) سے تاریخی و غیر متزلزل محبت کرنے والوں کے خلاف رائے رکھتی تھی۔[17]

تاہم بحیثیت مجموعی صوفی روایات عوامی عقائد اور ثقافتی ورثے میں برقرار رہیں۔ جنوبی ایشیا میں کئی روایتی سنّی تحریکوں نے صوفی عقیدت سے وابستہ اقدار و روایات کو جاری رکھا اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی مؤدت میں علمی و عوامی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ اگرچہ محرم الحرام میں اہلسنت کے بڑے بڑے علمی و روحانی مراکز پہ شہدائے کربلا کے ختم اور عرس کی تقریبات کو شدت پسندوں کی جانب سے چیلنج کیا گیا، لیکن یہ تقریبات آج بھی بہت سے علاقوں میں سنّی مذہبی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔[18]

نام نہاد مصلحانہ تحریکوں سے متاثر سیاسی دینی جماعتوں نے ابتدا میں نظریاتی تجدید اور حکومت پر توجہ مرکوز رکھی، لیکن بعد میں ملوکیت کی حمایت کیلئے کربلا کے مزاحمتی استعارے کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ اور عالمِ اسلام کی اہل بیتِ رسول (ﷺ) خاص کر حضرت امام حسینؓ سے لازوال محبت کو ''منظم طریقہ کار'' کے تحت کم کرنے کا فرسودہ بیانیہ تشکیل دیا اور اس کی نشر و اشاعت پہ بے تحاشہ وسائل پانی کی طرح بہائے۔

نو آبادیاتی دور کے بعد امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی حیثیت:

عصرِ حاضر میں ''مرکزی دھارے'' کے سنّی بیانیے میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے وابستگی مجموعی طور پہ برقرار ہے، اگرچہ اس میں علاقائی اور مسلکی سطح پر (اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ) اقلیتی نوعیت کا فرق پایا جاتا ہے۔ نو آبادیاتی دور کے اثرات اب بھی نظر آتے ہیں۔ ان ریاستوں میں جو سخت گیر مصلحانہ فکر سے متاثر ہیں، وہاں ان ہستیوں کیلئے عوامی عقیدت کے اظہار کو محدود کر دیا گیا ہے اور نصابی کتب میں ان کی زندگیوں کا ذکر نہایت مختصر انداز میں کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ محمد اقبال کے فارسی مجموعہ کا جب عربی زبان میں ترجمہ شائع کیا گیا تو اس میں سے وہ نظمیں خارج کر دی گئیں جو حضرت علی ابن ابی طالب، بنت رسول اللہ (ﷺ) حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہ اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم) کے بارے علامہ اقبال نے لکھی تھیں۔[19]

اس کے برعکس، صوفی تربیت رکھنے والے معاشروں میں ان بابرکت شخصیات کی یاد روحانیت، شاعری اور خدمتِ خلق میں رچی بسی ہوئی ہے۔ امام حسینؓ کا کربلا میں قیامِ اعلیٰ کردار اور قربانی کی علامت کے طور پر منایا جاتا ہے، جبکہ امام حسنؓ کی اصولوں پر قائم رہتے ہوئے صلح اور مفاہمت کی کوششوں کو تنازعات کے حل سے متعلق بیانیوں میں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

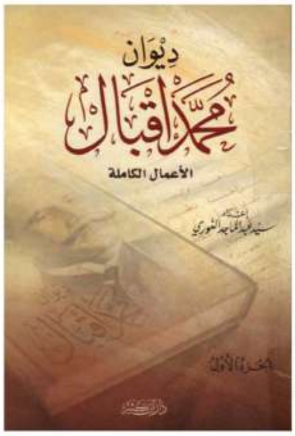

ڈیجیٹل پلیٹ فارمز اور علمی حلقوں نے اہلِ بیت کو اتحاد کے موجب ورثے کے طور پر دوبارہ توجہ کا مرکز بنا دیا ہے۔ سنّی علماء اب امام حسینؓ کی مزاحمت کو جدید اخلاقی اور سیاسی مسائل کے حل میں تعلیمی لحاظ سے مؤثر تسلیم کرتے ہیں۔ کانفرنسز، آن لائن لیکچرز اور بین المسالک مکالمے اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ ان ہستیوں کی اخلاقی عظمت پر ایک نیا اجماع ابھر رہا ہے۔

اختتامیہ:

قبل از نو آبادیاتی دور کی ہم آہنگ فقہی روایات اور روحانیت سے لے کر، نو آبادیاتی دور میں صوفی اداروں کو دیوار سے لگا کر سنّی اعتقادات میں مداخلت، انقلابی علامتوں کے استعمال اور سخت گیر مسلکیت کی حمایت تک اور بعد از نو آبادیاتی دور میں نبرد آزما مگر پائیدار عقیدت کے اظہار تک، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے ساتھ سنّی اسلام کے تعلق کا سفر وسیع تاریخی تغیرات کی عکاسی کرتا ہے۔ اگرچہ اہلِ بیت سے محبت سنّی عقیدے کی پہچان ہے، تاہم اس کے اظہار کی صورتیں طاقت کے ڈھانچوں، تعلیمی اصلاحات اور نظریاتی رجحانات کے زیرِ اثر تشکیل پاتی رہی ہیں۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے اخلاقی اور روحانی ورثے کو دوبارہ مکمل طور پہ اپنانا اہلسنت کو ایک ایسا راستہ فراہم کرتا ہے جس کے ذریعے وہ تقسیم سے بلند ہو سکتے ہیں، اخلاقی قیادت کو زندہ کر سکتے ہیں اور عدل و انصاف اور صلہ رحمی کے اپنے عزم کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔ اس کے لیے تاریخی تجزیے کے ساتھ ساتھ اِن دونوں عظیم شخصیات کو سنّی تعلیم و تربیت اور اجتماعی زندگی کے مرکز میں دوبارہ شامل کرنے کی مسلسل شعوری کوشش بھی بہت ضروری ہے۔

☆☆☆

[17] Meijer, R. (ed.) (2009) *Global Salafism: Islam's New Religious Movement*. London: Hurst.

[18] Sanyal, U. (1996) *Devotional Islam and Politics in British India: Ahmad Riza Khan Barelwi and His Movement, 1870–1920*. Oxford: Oxford University Press.

[19] سید عبد الماجد الغوری، ''دیوان محمد اقبال، الاعمال الکاملہ''، (دار ابن کثیر، دمشق-بیروت) 1432ھ۔

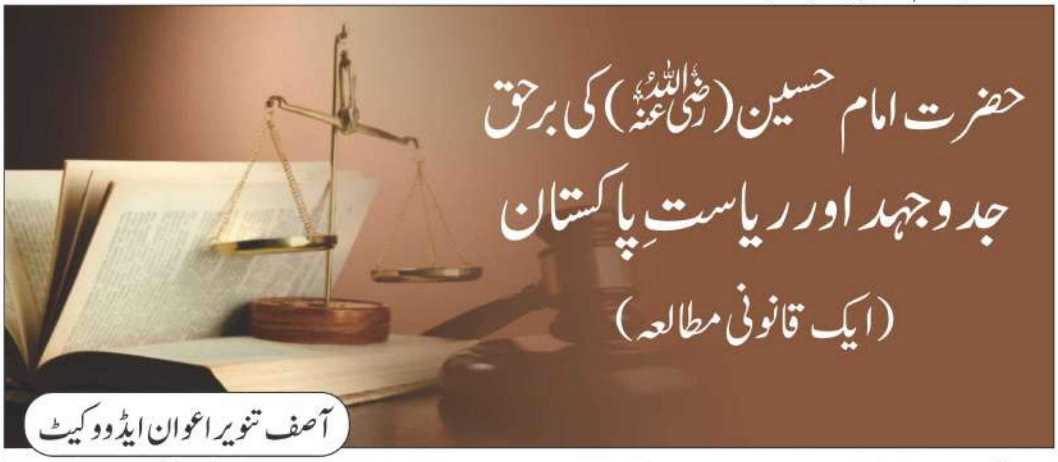

کسی بھی قوم کی تہذیبی شناخت اور ترقی کا راستہ اس کے رجالِ باکمال / ہیروز کے کردار سے متعین ہوتا ہے- رجل باکمال یا ہیرو صرف ایک فرد ہی نہیں بلکہ ایک نظریہ ہوتا ہے جو آنے والی نسلوں کو حوصلہ، عزم، صداقت اور سچائی کا درس دیتا ہے- ہر مہذب اور بیدار قوم اپنے ہیروز کو نہ صرف یاد رکھتی ہے بلکہ ان کے نظریات کی حفاظت بھی کرتی ہے تاکہ قوم کی تہذیبی شناخت قائم رہ سکے- بچوں کو بچپن سے ہی ان کے واقعات سنائے جاتے ہیں تاکہ بچوں کی شخصیت میں ان ہیروز کی جھلک پیدا ہو- اسی لیے دنیا کی ہر کامیاب قوم، چاہے وہ کسی نسل، مذہب یا جغرافیہ سے تعلق رکھتی ہو اپنے ہیروز کو بھرپور انداز میں Celebrate کرتی ہے-

مثلاً امریکہ میں George Washington جو امریکی جنگِ آزادی کے رہنما اور پہلے صدر تھے، کو "Father of the Nation" کا درجہ حاصل ہے- ہر سال "Presidents' Day" فروری کے تیسرے سوموار کو منایا جاتا ہے اور اس موقع پر سرکاری چھٹی دی جاتی ہے اور امریکہ کے صدر سمیت دیگر اعلیٰ حکومتی عہدیدار ان کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں- سکولوں میں ان کے کردار پر مبنی تقریبات ہوتی ہیں تاکہ ان کی قربانیوں سے قوم سبق حاصل کر کے ملکی ترقی میں کردار ادا کرے- اس لیے واشنگٹن ڈی سی جیسا شہر ان کے نام سے منسوب ہے-[1]

امریکہ ہر سال Martin Luther King Jr. Day جنوری کے تیسرے سوموار کو مناتا ہے تاکہ نسل پرستی کے خلاف ان کی جدوجہد کو زندہ رکھا جا سکے- اس دن وفاقی سطح پر تعطیل ہوتی ہے، اسکولوں اور اداروں میں تقاریب ہوتی ہیں اور ان کی تقاریر کو پڑھایا جاتا ہے تاکہ نوجوان نسل ان کی بہادری اور قربانی سے سبق سیکھے-[2]

ان مثالوں سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ترقی یافتہ قوم اپنے ہیروز کے افکار و اقدار کو نہ صرف یاد رکھتیں ہیں بلکہ ان کو زندہ رکھنے کیلئے باقاعدہ ریاستی سطح پر اقدامات بھی کرتی ہیں-

اس کے برعکس اگر کسی قوم کو شکست دینی ہو تو اس قوم سے اس کا ہیرو چھینا جاتا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس ہیرو کو متنازع بنایا جاتا ہے یا اس کی کردار کشی جیسے حربوں سے کام لیا جاتا ہے تاکہ قوم اور ہیرو کا تعلق دھندلایا جائے- ماضی میں ایسی بیشمار امثال موجود ہیں-

1. صلیبی جنگوں کے بعد یورپ میں چرچ قیادت اور مؤرخین نے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی شخصیت کو پروپیگنڈا کا نشانہ بنایا- چرچ نے وہ دستاویزات رائج کرائیں جن میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے کردار کو قصداً مسخ کیا گیا- عوامی کتابوں، چرچ تقریروں اور عسکری دستاویزات میں سلطان پر "ظالم فاتح" کا لیبل لگایا گیا اور ان کی رواداری اور عدل کی خصوصیات کو مٹایا گیا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی- معروف مصنف Andrew S. Ehrenkreutz نے اپنی کتاب Saladin (1972) میں ان تاریخی تحریفات کو بے نقاب کیا اور یورپی دستاویزات کا تجزیہ کر کے دکھایا کہ سلطان صلاح الدین نے

[1] "Presidents' Day 2025 | GovInfo." Accessed: Jun. 09, 2025. [Online]. Available: https://www.govinfo.gov/features/presidents-day-2025

[2] "Martin Luther King Jr. Day - U.S. Embassy in Argentina." Accessed: Jun. 09, 2025. [Online]. Available: https://ar.usembassy.gov/martin-luther-king-jr-day/

حقیقتاً کسی مذہبی تشدد یا معاشرتی ظلم کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ امن اور رواداری کی سیاست کی-[3]

2. رومی حکمرانوں نے حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو ریاستی دشمن اور فسادی قرار دے کر ان کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی، تاکہ تخت قبضہ میں رہے- Eusebius نے Ecclesiastical History, Book II میں درج کیاہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو ریاست کے حوالے سے "فسادی" اور "باغی" بتایا گیا- ان بیانیوں کے ذریعے حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کو "سیاسی بغاوت" سے مشابہت دی گئی-[4] حالانکہ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت خالصتاً اللہ تعالیٰ کی دعوت تھی-

ان مثالوں سے واضح ہوتاہے کہ ہیروز کو بدنام کرنے کا مقصد صرف ایک شخص یا فکر کو نشانہ بنانا نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم، اس کی ثقافت، تاریخ اور اس کے نظریاتی تشخص کو تباہ کرنا ہوتاہے- یہ سلسلہ تاریخ انسانی میں چلتا آرہاہے اور آج بھی ایسا ہی ہے بقول اقبالؒ؛

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللّٰہی، وہی مرحبی، وہی عنتری

ملک خداداد پاک سرزمین پر بسنے والی پاکستانی قوم قرآن و سنت کے بعد اپنے نظریاتی و ثقافتی رجالِ باکمال، مقتداؤں اور رہنماؤں یعنی ہیروز کو اپنے بانیانِ پاکستان سے اخذ کرتی ہے جس میں قائداعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ محمد اقبالؒ سرفہرست ہیں- قائداعظمؒ و علامہ محمد اقبالؒ نے جہاں دیگر بڑی شخصیات کو اپنی ملی شناخت کیلئے Idealize کیاوہیں سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی ذات مقدسہ کو بھی رول ماڈل کے طور پر لیا- اس لیے دونوں قائدین نے سیدنا امام حسینؓ کی فکر اور جہدِ حریت سے رہنما اصول اخذ کرکے قومی شعور کی آبیاری کی-

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے سیدنا امام حسینؓ کی عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی قوم سے فرمایا:

"دنیا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شخصیت سے بڑھ کر کوئی عمدہ اور روشن مثال پیش کرنے سے قاصر ہے- آپ محبت، شجاعت، قربانی اور وفاداری کا مجسم نمونہ تھے- خصوصاً ہر مسلمان کو ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور ان سے رہنمائی لینی چاہیے"-

علامہ اقبالؒ نے اسرارِ خودی میں سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو اسلامی فکر کا مرکز قرار دیتے ہوئے فرمایا:

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

"حق ہمیشہ زندہ ہے اور اس کی طاقت شبیری (حسینؓ) سے ہے، باطل کا انجام صرف حسرت اور ناکامی ہے- یعنی حق و باطل کی جنگ میں ہیرو امام حسینؓ ہیں اور ان کے مخالف باطل ہیں"-

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

یہ اشعار واضح کرتے ہیں کہ سیدنا امام حسینؓ علامہ محمد اقبال کے نزدیک صرف ایک عظیم ہستی ہی نہیں بلکہ زندہ ضمیر اور حق پرست معاشرے کی بنیاد کو تقویت بخشنے والے ہیرو ہیں-

بانیانِ پاکستان کے افکار پر سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے نظریے، قربانی اور ظلم کے خلاف جدوجہد کا گہرا اثر تھا- ان کی سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے والہانہ محبت و عقیدت کے تسلسل میں ریاست پاکستان ہر سال نویں و دسویں محرم کو یومِ عاشور کے موقع پر سرکاری تعطیلات کا اعلان کرتی ہے-[5] ان ایّام کو نہ صرف مکتبِ اہلِ تشیعہ میں اہمیت حاصل ہے بلکہ اہلسنت و جماعت کے چاروں فقہی مکاتب کے لوگ ان ایام میں حضرت امام حسین کی قربانی اور عظمت و فضائل کو یاد کرتے ہیں- خاص کر پاک و ہند میں اہلسنت و جماعت کے بڑے بڑے علمی و روحانی مراکز میں اس حوالے سے عظیم تقریبات منعقد کی جاتی ہیں-

[3]M. W. Dols, "Andrew S. Ehrenkreutz, Saladin (State University of New York Press, Albany, 1972). Pp. 290. $10.00.," Int J Middle East Stud, vol. 4, no. 4, pp. 489–491, Oct. 1973, doi: 10.1017/S0020743800031147.

[4]"2. Genre and Eusebius' Ecclesiastical History: Toward a Focused Debate, David J. DeVore - The Center for Hellenic Studies." Accessed: Jun. 09, 2025. [Online]. Available: https://chs.harvard.edu/chapter/2-genre-and-eusebius-ecclesiastical-history-toward-a-focused-debate-david-j-devore/

[5]"ashura-pr-2024" Accessed: Jun. 14, 2025. [Online]. Available https://cabinet.gov.pk/Detail/OTE2ODBiYmItZmI0MS00NDAwLWE5NGUtYmE1MGVjYzllMzAz

سیدنا امام حسینؓ کا کردار پاکستانی ریاست کیلئے نظریاتی، عسکری اور تہذیبی و اخلاقی ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے- قائد اعظمؒ سے لیکر آج تک سربراہان مملکت اور ریاستی بیانیہ کے مطابق حضرت سیدنا امام حسینؓ ہیرو ہیں-اس لیے ہر سال سیدنا امام حسینؓ کی یاد کو سرکاری و نجی سطح پر بھرپور انداز میں منایا جاتا ہے-

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

"قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"[6]

"کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تلقینِ رسالت) پر کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے قرابتداروں (اہل بیت اطہار) سے محبت کے"-

قرآن کریم کے اس بیّن حکم کے مطابق رسول اکرم (ﷺ) نے اپنی رسالت کے بدلے اپنے اہلِ قرابت خاص کر حضرت امام حسینؓ سے بے پناہ محبت کا درس دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس محبت کو قرآن میں فرض فرمایا-

جامع ترمذی میں حضرت یعلی بن مرہ سے روایت ہے حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"حسنؓ اور حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں"-[7]

پاکستانی ثقافت و ادبیات میں بھی سیدنا امام حسینؓ پاک کی ذات اقدس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے-پاکستان کے سرکاری ٹیلی ویژن چینل PTV پر امام حسین کے افکار کی پذیرائی دراصل پاکستانی ثقافت کی عکاس ہیں-ریاستی ٹی وی اور ریڈیو بہ ماہِ محرم میں سیدنا امام حسینؓ کی قربانی کو اپنے خصوصی پروگرامز کے ذریعے اجاگر کرتا ہے-مثلاً:

"پی ٹی وی نے 2021 میں "واقعہ کربلا اور پیغام حسینؓ" عنوان سے ایک خصوصی پروگرام نشر کیا، جس میں واقعہ کربلا کے اہم حصے اور سیدنا امام حسینؓ کی باطل کے خلاف جہد وجہد و قربانی کو تفصیلی انداز میں بتایا گیا"-[8]

اسی طرح پی ٹی وی پر محرم 2024 میں "ہمارے ہیں حسینؓ" عنوان سے پروگرام نشر کیا گیا، جس میں کربلا کے مراحل کو تاریخی تناظر میں بتایا گیا کہ کیسے امام حسینؓ نے اپنا اور اپنے اہل و عیال کے جان کی قربانی پیش کر دی لیکن ناحق یزید کی بیعت قبول نہ کی"-[9]

مزید برآں کسی بھی قوم کے ادب و ثقافت میں شاعری کو نہایت ممتاز مقام حاصل ہوتا ہے-بعینہ پاکستانی ادب میں اردو و پنجابی ودیگر علاقائی زبانوں کی شاعری کو نہایت اہم مقام حاصل ہے-پاکستانی ثقافت کے ادب میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ سیدنا امام حسینؓ حق پر ہیں اور ان کے خلاف برسرپیکار قوتیں ناحق تھیں-

قومی ترانے کے خالق حفیظ جالندھری نے وارثان دین اور دشمنان دین کے درمیان خط کھینچ کر بتایا ہے کہ ہمارے ہیرو سیدنا امام حسینؓ ہیں-

اُدھر سپاہِ شام ہے، ہزار انتظام ہے
اُدھر ہیں دشمنانِ دیں، اِدھر فقط امام ہے

جوش ملیح آبادیؒ کلیات جوش میں سیدنا امام حسینؓ کو تمام انسانیت کی آواز قرار دیتے ہیں:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر شخص پکارے گا ہمارے ہیں حسینؓ

دنیائے اسلام کے معروف صوفی بزرگ اور پنجابی زبان کے نامور شاعر حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:

ج-جے کر دین علم وِچ ہوندا سر نیزے کیوں چڑھدے ھو
اَٹھاراں ہَزار جو عَالم آہا اوہ اگے حسینؓ دے مَردے ھو
جے کجھ مُلاحظہ سرورؐ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو
جے کر مَندے بیعت رَسُولیؐ پانی کیوں بندے کردے ھو

[6] (الشوریٰ:23)

[7] (جامع ترمذی، رقم الحدیث:3768)

[8] "(968) WAQIA KARBALA AUR PAIGHAM E HUSSAIN 18 08 2021 - YouTube." Accessed: Jun. 10, 2025. [Online]. Available: https://www.youtube.com/watch?v=ZL87wHJLgyk&ab_channel=PTVNews

[9] "(968) HAMARAY HAIN HUSSAIN | 02 MUHARRAM | 09 07 2024 - YouTube." Accessed: Jun. 10, 2025. [Online]. Available: https://www.youtube.com/watch?v=IgtIbQ_9gUQ&ab_channel=PTVNews

پر صادق دین تنہاں دے باھوؒ جو سر قُربانی کر دے ھو

سچا دین تو انہیں پاک جانوں کا تھا جنہوں نے کربلا میں سر قربان کر دیا لیکن باطل کے ہاتھ پر بیعت نہ کی۔

الغرض! بانیانِ پاکستان، ہماری ثقافت اور ریاستی بیانیہ کے تحت سیدنا امام حسینؓ پاک ہمارے ہیرو ہیں اور پوری پاکستانی قوم کی بے پناہ محبت اور گہرے جذبات امام حسینؓ اور ان کی قربانی سے وابستہ ہیں۔ اسی اثاثہ کو محفوظ بنانے کے لیے پاکستان میں بے شمار قوانین منظور کیے گئے جن میں سیدنا امام حسینؓ پاک کی حرمت وادب کے منافی بات کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔

پاکستان پینل کوڈ 1860 کی دفعہ 298-A میں درج ہے کہ:

> *"298A: Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation, or by any imputation, innuendo or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of any wife (Ummul Mumineen), or members of the family (Ahl-e-Bait), of the Holy Prophet (Peace be Upon Him), or any of the righteous Caliphs (Khulafa-e-Rashideen) or companions (Sahaaba) of the Holy Prophet (Peace be Upon Him) shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to three years, or with fine, or with both".[10]*

اس دفعہ کے تحت سیدنا امام حسینؓ پاک کے خلاف زبانی، تحریری، اشارے یا کنایے کے ذریعے الزام لگانا یا ان کے ادب و حُرمت کے منافی بات کرنا جرم ہے۔ مزید برآں اگر کوئی فرد سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی قربانی کے اعلیٰ و ارفعٰ مقصود و معیار کو گھٹا کر پیش کرے یا اس جدوجہد کو تاج کے لیے جنگ، یا دو شہزادوں کے درمیان جنگ قرار دے یا کسی اور انداز میں ناموسِ سیدنا امام حسینؓ کے خلاف بات کرے تو اس پر یہ دفعہ لاگو ہوتا ہے۔ جس کی سزا تین سال قید اور جرمانہ ہے۔

پاکستان پینل کوڈ دفعہ 295-A کے تحت کسی بھی طبقہ کے مذہبی احساسات کو مجروح کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔

> *"295 .A : Whoever, with deliberate and malicious intention of outraging the religious feelings of any class of the citizens of Pakistan, by words, either spoken or written, or by visible representations insults the religion or the religious beliefs of that class, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to ten years, or with fine, or with both".*

لہٰذا اگر کوئی بھی شخص امام حسینؓ پاک کی تکریم و تعظیم کے منافی بات کرتا ہے، واقعہ کربلا میں ہونے والے ظلم کا انکار کرتا ہے، سیدنا رسول اللہ (ﷺ) کے اہل بیت پہ مظالم ڈھانے والوں کی طرف داری و جواز فراہم کرتا ہے اس پر دفعہ 295-A لاگو ہوتا ہے اور اس جرم کی سزا 10 سال قید و جرمانہ ہے۔

پاکستان پینل کوڈ دفعہ 153-A کے تحت کسی مذہبی طبقہ کو اشتعال دلانا یا مذہبی طبقات کے درمیان جھگڑا پیدا کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔

> *"Section 153-A PPC - Promotion of enmity between different groups: "Whoever promotes enmity between different groups on grounds of religion ………… shall be punished with imprisonment for a term which may extend to five years and with fine".*

اگر کوئی شخص امام حسینؓ پاک کے خلاف باتیں کر کے یا دشمنان اہل بیت - جسے پاکستانی قوم ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے، کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر دفعہ 153-A لاگو ہوتا ہے اور اس جرم کی سزا پانچ سال قید و جرمانہ ہے۔

پاکستان میں Prevention of Electronic Crimes Act (PECA) 2016 کے دفعہ 11 کے تحت سوشل میڈیا (یوٹیوب، فیس بک، انسٹاگرام وغیرہ)، ویب سائٹ یا ایپ پر نفرت انگیز مواد اور مذہبی شخصیات کے ادب و حرمت کے منافی بات کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔

> *"Section 11. Hate speech" Whoever prepares or disseminates information through any information*

[10] "THE PAKISTAN PENAL CODE CONTENTS."

system or device that advances or is likely to advance inter faith, sectarian or racial hatred, shall be punished with imprisonment for a term which may extend to seven years or with fine or with both".[11]

لہٰذا اگر کوئی بھی شخص یزید و اس کی ناجائز حکومت کے حق میں بات کر کے سیدنا امام حسین پاکؓ کی عظمت و حقانیت کو جھٹلاتا ہے اس پر دفعہ 11 لاگو ہوتا ہے اور اس جرم کی سزا 7 سال قید و جرمانہ ہے۔

قانونی نظام کے تناظر میں پاکستان Common Law Country ہے اس لیے پاکستان کے قانونی نظام میں عدالتی نظائر Precedents کو قانون کا درجہ حاصل ہے۔ پاکستانی کی عدالتی نظائر کے مطابق مقدس مذہبی شخصیات کے خلاف بات کرنا جرم ہے۔

"اگر کوئی شخص مقدس اور محترم ہستیوں کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کرے تو وہ توہینِ مذہب کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو قانون میں کسی رعایت کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ سزا میں کسی نرمی کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ مذہبی جرائم نہ صرف عوام کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں بلکہ معاشرے و ریاست کے خلاف ایک سنگین جرم بھی تصور کیے جاتے ہیں۔ مذہبی جرائم قابلِ راضی نامہ (Compoundable) نہیں ہوتے اور نہ ہی ریاست، کوئی فرد، یا کسی مذہبی فرقے کا گروہ ایسے جرم کو معاف کرنے اور مجرم کو بخشنے کا اختیار رکھتا ہے"۔

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص حضرت امام حسینؓ کی حرمت کے منافی بات کرتا ہے اور آئین پاکستان 1973 کے آرٹیکل 19 کے تحت آزادی اظہار رائے کے تحت جواز پیش کرتا ہے تو قانون کی نگاہ میں اس کا جواز ناقابل قبول ہو گا کیونکہ یہ آزادی غیر مشروط نہیں ہے۔[12] آزادی اظہار رائے پر اہم آئینی حدود عائد کی گئی ہیں جن میں اسلام کی عظمت، عوامی نظم و نسق، اخلاقی و مذہبی اقدار اور قومی سلامتی کا پاس رکھنا شامل ہیں۔ حضرت سیدنا امام حسینؓ کی حرمت سب مسلمانوں پر فرض ہے اس لیے سید الشہداءؓ کی قربانی و جدوجہد کو جھٹلانا یا کم کر کے پیش کرنا درحقیقت عظمت اسلام کے انکار کے مترادف ہے۔

نیز پاکستان میں Law of Tort کے تحت کسی بھی شخص کے جذبات کو ٹھیس اور ذہنی اذیت نہیں پہنچائی جا سکتی۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ پاکستانی عوام امام حسینؓ سے بے پناہ عشق و محبت کرتی ہے اور خانوادہء نبوت سے محبت اپنے ایمان کا لازمی جزو سمجھتی ہے۔ کیونکہ "مین اسٹریم سنی تھیالوجی" کے تقریباً تمام بڑے آئمہ تفسیر نے سیدنا رسول اللہ (ﷺ) کے خانوادے سے محبت کو قرآن کریم کی رُو سے فرض کا درجہ دیا ہے۔ ایسے میں سیدنا امام حسینؓ کے خلاف بات کر کے عوامی جذبات کو ٹھیس پہنچانا اور لوگوں کو ذہنی اذیت پہنچانا civil wrong ہے اور Law of Tort کی خلاف ورزی ہے۔ جس کے تحت سول کورٹ میں مقدمہ درج کیا جا سکتا ہے۔

اپنے ہیروز کی ناموس کا تحفظ صرف پاکستان کے قانون میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی تمام قومیں اپنے ہیروز کی ناموس کی قانونی حفاظت کرتی ہیں اور اپنی قربانیوں کا احترام چاہتی ہے۔ مثلاً چین میں "Heroes and Martyrs Protection Act" کے تحت ریاستی طور پر تسلیم شدہ انقلابی ہیروز اور شہداء کی توہین، تضحیک یا ان کی یادگاروں کو نقصان پہنچانا قابلِ سزا جرم ہے۔

جرمنی میں کوئی بھی شخص Holocaust کا انکار نہیں کر سکتا کہ نازیوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا اور انکار تو دور بلکہ یہ بھی بحث نہیں کر سکتا کہ جو تعداد متاثرین کی بتائی جاتی ہے وہ کم ہے اور یہ کہ کوئی بھی شخص پبلک و پرائیویٹ کسی بھی مقام پر اس ظلم کا انکار نہیں سکتا بلکہ اگر کوئی اور انکار کر رہا ہے تو اس سامنے اس کی تائید بھی نہیں کر سکتا اور نہ صرف یہ بلکہ نازی جنہوں نے قتل عام کیا ان کے قتل عام کا کوئی جواز پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہے۔ بلکہ کوئی ایسا حرف تک نہیں بول سکتے جو قتل ہونے والوں یہودیوں کی تکریم میں کسی طرح کی کمی کا باعث بنے یعنی بولنا تو دور سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو جیل اس کا مقدر ہے۔

11 "BILL lo mqkr proviiions for prevenlion of eleclronic crimes."
12 "THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN."

سوال یہ ہے کہ اگر ہولوکاسٹ کے ذمہ داران کے حق میں کسی بھی طرح کا جواز پیش کرنے کی اجازت نہ ہے تو سید الشہداء حضرت امام حسینؓ اور رسول اکرم (ﷺ) کے بچوں و گھر والوں کو شہید کرنے والوں کے حق میں جواز پیش کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟

بین الاقوامی قوانین میں International Covenant on Civil and Political Rights (ICCPR) ایک اہم دستاویز ہے جسے پاکستان نے بھی سائن کیا ہے اور اس پر عمل درآمد کرنا پاکستان پر لازم ہے- اس کے آرٹیکل (2) 20 کے تحت مذہبی منافرت پھیلانا، مذہبی شخصیات کے خلاف بات کرنا، کسی طبقہ کو اشتعال دلانا، عوامی نظم و نسق خراب کرنے کا باعث بننا جرم ہے-

> *"Any advocacy of national, racial or religious hatred that constitutes incitement to discrimination, hostility or violence shall be prohibited by law[13]".*

مزید یہ کہ ایسی روایات جو کئی ممالک میں تواتر کے ساتھ قائم ہوں انہیں بین الاقوامی قانون (International Law) کی زبان میں International Customary Norms کہتے ہیں اور یہی نارمز ایک مدت و عمل کے بعد Jus Cogens کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں اور جب یہ Jus Cogens بن جائیں اس کے بعد دنیا کے ہر ملک پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس قانون کی پاسداری و عملداری یقینی بنائے خواہ اس ملک نے اس قانون کو دستخط کیا ہو یا نہ کیا ہو- مثلاً جب Universal Declaration of Human Rights دستاویز تیار ہوئی تو شروع کے برسوں میں تقریباً 50 کے قریب ممالک نے اس Treaty پر دستخط کر کے قبول کیا- لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس دستاویز نے Jus Cogens کا درجہ اختیار کر لیا ہے- اس لیے اب کوئی ملک چاہے اس Treaty کا حصہ ہے یا نہیں اس ڈاکومنٹ میں موجود حقوق کو یقینی بنانا اس ملک پر قانوناً لازم ہے- یعنی معاشرے و ممالک کی پریکٹس سے بین الاقوامی قوانین وجود میں آتے ہیں-

عین اسی طرز پر، سیدنا امام حسینؓ اور اہل بیت اطہارؓ کی تعظیم و تکریم اور انہیں ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کی علامت ماننا مسلم دنیا میں ایک ریاستی اور اجتماعی عمل (State Practice + Opinio Juris) کی حیثیت اختیار کر چکا ہے- ہر سال محرم الحرام کے موقع پر پاکستان، ترکی، انڈونیشیا، ایران، عراق، لبنان، بحرین، آذربائیجان اور درجنوں دیگر اسلامی ممالک میں سرکاری سطح پر تعطیلات دی جاتی ہیں، سرکاری سیکورٹی کے زیر انتظام جلوس اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں جو کہ سنی شیعہ سبھی منعقد کرتے ہیں، اہل بیت اطہارؓ کی توہین پر بیشمار اسلامی ممالک میں قوانین و سخت سزائیں موجود ہیں، یہ سب ایک واضح، مسلسل اور منظم ریاستی عمل ہے- جس میں سیدنا امام حسینؓ کو ایک نظریاتی ہیرو کے طور پر خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے- سینکڑوں برسوں کی مسلسل State practice اور Opinio Juris کے مطابق تعظیمِ سیدنا امام حسینؓ مسلم دنیا کے لیے Jus Cogens کا درجہ رکھتی ہے-

دنیا میں ان تمام قوانین کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیونکہ دنیا میں ہمیشہ سے کچھ لوگ ایسے رہے ہیں جو فساد، انتشار اور تہذیبی حساسیتوں کو مجروح کرنے کے لیے معمولی مفادات کے تحت قصداً اشتعال انگیز عمل کرتے ہیں اور پھر جب ردعمل سامنے آتا ہے تو آزادی اظہار (Freedom of Expression) کا سہارا لیتے ہیں- لیکن یہ بات واضح ہے کہ آزادی اظہار کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی فرد یا گروہ کو دوسروں کے مذہبی جذبات، تاریخی و ثقافتی ہیروز، یا اجتماعی عقائد کی توہین کرنے کا اختیار دے دیا جائے- بین الاقوامی سطح پر بھی freedom of

[13]"International Covenant on Civil and Political Rights | OHCHR." Accessed: Jun. 09, 2025. [Online]. Available: https://www.ohchr.org/en/instruments-mechanisms/instruments/international-covenant-civil-and-political-rights

expression کے حق کو limits کے ساتھ مشروط سمجھا جاتا ہے—جیسا کہ

International Covenant on Civil and Political Rights (Article 19(3)) میں بھی درج ہے[14] کہ یہ آزادی دوسروں کے حقوق، مذہبی احترام اور امنِ عامہ کی حفاظت کے تحت محدود کی جاسکتی ہے۔ نیز Article 10(2) of the European Convention on Human Rights (ECHR) بھی آزادیِ اظہار رائے کے حق پر کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے تاکہ اس حق کی آڑ میں اخلاقیات، عزت، اور عوامی امن وامان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

اس کا واضح واقعہ فرانس کے میگزین Charlie Hebdo کا ہے، جہاں توہین آمیز خاکوں کے ذریعے دانستہ طور پر کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی۔ بعد میں جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو میگزین اور اس کے حمایتی freedom of expression کی آڑ میں چھپنے لگے۔ حالانکہ یورپی یونین سمیت دنیا کے بیشتر قوانین میں بھی یہ اصول واضح ہے کہ right to insult, blasphemy یا hate speech کسی بھی صورت "آزادیِ اظہارِ رائے" کے دائرے میں نہیں آتے۔ ایسے لوگ دراصل "freedom of expression" کے قانون کو وہاں تک پڑھتے ہیں، جہاں تک انہیں فائدہ پہنچے۔ یہ طرزِ عمل ان کی بُری نیت (Mens Rea) کو صاف ظاہر کرتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی برحق جدوجہد پہ حرف اٹھانے والے لوگوں کی ذہنیت میں اور چارلی ایبڈو کی گستاخانہ اشاعتوں کے پس پردہ ذہنیت میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

قانون کا ایک عالمگیر اصول ہے جسے پاکستان اور دیگر ممالک کی عدالتوں میں زیرِ عمل لایا جاتا ہے۔ جسے Res Judicata کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق ایک معاملے پر جب فیصلہ ہوجائے تو باربار اسی مسئلہ پر دوبارہ کیس دائر نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی اور لوگ کئی برسوں بعد بھی اسی سابقہ موضوع پر کورٹ میں کیس داخل نہیں کرسکتے۔ یہ اصول عمل میں نہ ہو تو فریقین ساری زندگی ایک ہی مسئلے پر لڑتے جھگڑتے رہیں اور کورٹ بھی ایک ہی مسئلہ کو بار بار سنتی رہے۔ مثلاً یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ حضور (ﷺ) خاتم النبیین ہیں۔ اب بار بار اس پر بحث کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نا ہی اس پر ہر وقت کسی ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو دلائل دینے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ معاملہ طے ہوچکا ہے۔ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ اس پر ہر سال نئے سرے سے بحث چھیڑنے یا تحقیق کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ معاملہ طے ہوچکا ہے۔ بعینہ حضرت امام حسینؑ کا دینی، ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی طور پہ برحق ہونا اور "ہیرو" ہونا طے ہے۔ لہٰذا تحقیق کے لبادے میں اس پر نظرِ ثانی کی بحث چھیڑنا اصولِ قانون کے منافی ہے۔

پاکستانی قوم متفقہ طور پر سیدنا امام حسینؓ کو اپنا ہیرو مانتی ہے اس لیے کسی شخص کو اجازت نہ ہے کہ وہ قوم کے ہیرو کی کردار کشی کرے یا ایسا مواد شائع کرے جس سے قوم کے جذبات مجروح ہوں۔ تاہم ایسے کسی بھی متنازع مواد کے سامنے آنے پر اسے نظر انداز کرنے کی بجائے اس کے خلاف تین طرح سے قانونی کاروائی ہوسکتی ہے۔

1۔ سوشل میڈیا پر اگر کوئی ویڈیو یا پوسٹ ہو تو اسے بطور Hateful Content Report کرنا چاہیے۔

2۔ وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (FIA) کے سائبر کرائم ونگ کو آن لائن شکایت درج کر واسکتے ہیں۔ ایف آئی اے کی ویب سائٹ complaint.fia.gov.pk پر جا کر اکاؤنٹ بنائیں، واقعے کی تفصیل، لنکس، ویڈیو و اسکرین شاٹس فراہم کریں اور شکایت جمع کر دیں۔ شکایت کا ٹریکنگ نمبر ملے گا جس سے آپ اپنی درخواست کی پیش رفت چیک کرسکتے ہیں۔

3۔ اس ویڈیو یا پوسٹ کو ڈاؤن لوڈ کر کے اپنے پاس محفوظ کریں۔ اس کا سکرین شاٹ لیں۔ قریبی پولیس اسٹیشن کے ایس ایچ او کے نام درخواست لکھیں۔ درخواست کے ساتھ ویڈیو یا تحریر کو ثبوت کے طور پر یو ایس بی میں منسلک کریں۔ پولیس تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 298-A اور PECA 2016 کی دفعہ 11 کے تحت کارروائی کی پابند ہے۔

☆☆☆

[14]"International Covenant on Civil and Political Rights | OHCHR." Accessed: Jun. 09, 2025. [Online]. Available: https://www.ohchr.org/en/instruments-mechanisms/instruments/international-covenant-civil-and-political-rights

تصوراتِ قیادت میں قائد کے اوصاف اور حسین

بابر جان خوازی خیل

ابتدائیہ:

واقعہ کربلا کو عمومی طور پر تاریخی تناظر میں بیان کیا جاتا ہے اور اس تناظر میں بھی توجہ خصوصاً اس کے ظلم، ناانصافی اور جنگی پہلو بیان کرنے پر مرکوز ہوتی ہے۔ تاہم محققانہ بصیرت کا تقاضا ہے کہ اس کو ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل اور عہد حاضر سے اس کے ربط کے تناظر میں بھی پرکھا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس واقعہ کو عقل و خرد، شعور و آگہی، معاشرتی ارتقا، تہذیبی تسلسل اور نظریاتی افق سے جوڑ کر دیکھا جائے تاکہ امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کی شخصیت اور قائدانہ صلاحیتوں کے نئے زاویوں کو دریافت کرنے میں مدد مل سکے۔

فیصلہ سازی میں آزادی:

لیڈر شپ کی تھیوریز میں جو اوصاف مثالی سمجھے جاتے ہیں ان کا عملی مظاہرہ آپؓ نے جن نامصائب حالات میں پیش کیا ان کا اظہار شائد ہی دوبارہ کہیں ہو سکے مثلاً ہمدردی اور احساس۔ قائد کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمدردی اور احساس کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

> *"One of the Most Compelling aspects of Imam Hussain's Leadership was his deep Empathy for his followers".*[1]

کسی قائد کے لیے اس سے زیادہ کمزور اور نازک ترین صورتِ حال کیا ہو سکتی ہے جس میں آپؓ نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کے جانے کی مکمل آزادی دے دی۔ آپؓ کا یہ عمل جدید لیڈر شپ کے تصورات میں بطور ہدایات کے موجود ہے جسے Empowerment in Adversity کہتے ہیں۔ آپؓ نے اپنے ساتھیوں پر اپنا فیصلہ لاگو کرنے کی بجائے ان کو با اختیار کیا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا راستہ چن لیں۔ ایسے سنگین حالات میں بھی اپنے ساتھیوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دینا آپؓ کی اعلیٰ ترین لیڈر شپ کے وصف کو ظاہر کرتا ہے۔ جدید علوم میں بیان کردہ "فیصلے کے اختیار میں آزادی" کے اس تصور کی انسانی نفسیات اور معاشرے پر اثرات کی تفصیل کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ:

- فیصلہ سازی میں آزادی کو سماجی تبدیلی (Social Change) کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔
- یہ معاشرتی ترقی کا باعث بنتا ہے۔
- یہ احساسِ ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔
- یہ خود شناسی کے عمل کے لیے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔
- یہ اختیار انسان کو حق کی تلاش کی راہ میں سفر میں مددگار ہو سکتا ہے۔
- ناانصافی کے خلاف کھڑے ہونے پہ آمادہ کرتا ہے۔
- یہ آزادی باہمی اعتماد اور تعاون کی فضاء قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔[2]

قیادت کا اخلاقی تصور:

اسی طرح مؤقفِ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو قیادت کے اخلاقی تصور کے تحت دیکھیں تو آپؓ کا قیام خالصتاً اخلاقی اصولوں کو برقرار رکھنے کی خاطر تھا۔ آپؓ کے فیصلے اخلاقیات کے اصولوں کی تعریف کے عین مطابق تھے۔ قیادت کی کسی

[1] Empathy and Leadership: Lessons from the Events of Karbala for Modern Human Resource Management (www.linkedin.com)23-05-2025

[2] Courageous decisions in Karbala: Hussain Ibn e Ali's Gift of Freedom of Decision Making (Humera Ambareen)

بھی تھیوری کا مطالعہ کریں تو اس میں بیان کردہ اوصاف کا اظہار امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے طرز عمل میں نظر آئے گا۔ جن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

- اصولی موقف
- اخلاقی اصولوں پر مشتمل دستور العمل
- دوررس نتائج کو ترجیح دینا
- موقف کی شفافیت اور ابہام سے مبرا ہونا
- دباؤ میں حوصلے کا مظاہرہ کرنا
- مخالفین کے ساتھ اخلاقیات کے اصولوں کے مطابق برتاؤ کرنا
- عوام اور خاندان میں توازن قائم رکھنا
- حکمتِ عملی کے تحت دوررس نتائج مرتب کرنے والے فیصلے کرنا
- بامثال قیادت کرنا یعنی خود پیش پیش ہونا
- جذبۂ قربانی[3]

شعور و آگہی کے تناظر میں:

انسانی معاشرے میں جب بھی نئے تہذیبی، نظریاتی اور شعوری سوال جنم لیتے ہیں تو اس دور کے راہنما، مفکرین اور اہلِ علم ان کا جواب پیش کرتے ہیں اور یوں شعوری ارتقاء کا سفر طے کرواکر اجتماعی شعور کی سمت کو درست رکھتے ہیں۔ بلاشبہ امام پاکؓ نے اپنے دور میں مزاحمت محض کسی چھوٹی وجہ سے نہیں کی بلکہ آپؓ کا مقصد شعوری، فکری اور نظریاتی سفر کی سمت کو درست رکھنا تھا۔ اگر سوال یہ اٹھایا جائے کہ حکمرانی کو چیلنج کرنے کا شعوری ارتقاء سے کیا تعلق ہے؟ تو فکرِ امام پاکؓ کی بصیرت کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی معاشرے میں کسی غلط نظیر کی داغ بیل نہ پڑ سکے۔ اس فکر کو موجودہ دور کے "Situational Awareness" کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جو کہ لیڈر شپ کے لیے لازمی وصف تصور کیا جاتا ہے۔ وہ دور اسلامی معاشرے اور ریاستی اصولوں کے تشکیل کا دور تھا۔ فکرِ اسلام کے وضع ہونے کے بعد اس فکر کے تحت عملی طور پر وسیع نظام نے تشکیل پانا تھا اور ابتداء میں یہ غلط نظیر قائم ہو جاتی تو مستقبل میں ظالم، جابر اور آمر کے لیے اپنی حکمرانی کی دلیلیں اسلامی تاریخ میں سے ہی مل جاتیں۔ یہ آپؓ کا واقعیاتی شعور تھا جس نے ریاستی اصولوں کو مجروح ہونے سے بچایا۔ آپؓ نے جدوجہد اور قربانی کے ذریعے سے اس تشکیلی دور میں غلط روش کا Anti-thesis پیش کیا۔ یوں آپؓ نے عوامی -ریاستی تعلق کے قابل العمل پہلو کو اجاگر کر کے اجتماعی انسانی شعور کو ارتقائی منازل طے کروائیں۔

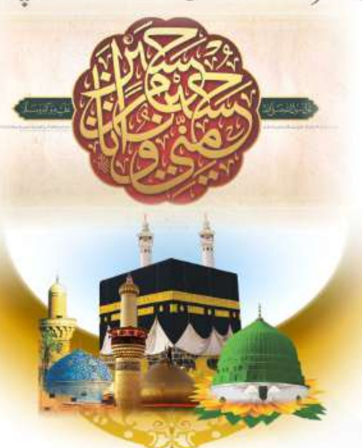

معاشرتی ارتقاء اور تہذیبی تسلسل کے تناظر میں:

امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کی جانب سے یہ قربانی نہ دی جاتی تو معاشرتی ضابطوں اور اقدار کو نقصان پہنچتا اور اسلامی تمدن و معاشرت کی بنیادی ساخت کو خطرہ لاحق ہو جاتا۔ یوں ہی غلط روایات کو قبول کرنے کی رسم پڑ جاتی تو تہذیب و تمدن پہ اس کے منفی اثرات پڑتے۔ اس طرز پر طاقت کے زور پر نااہل حکمرانوں کی روش پڑنے دیتے تو اخلاقیات کا معیار تباہ ہو جاتا۔ ایسے ہی حق تلفی اور ظلم کو پنپنے دیتے تو بنیادی انسانی حقوق کے تذکرے میں ظلم و جبر کی گنجائش پیدا ہوجاتی۔ یوں ہی بلاجواز اور غیر قانونی حکمرانی کو تسلیم کر لیتے تو مستقبل میں سیاسیات کے معیارات بدل جاتے۔ لہٰذا آپؓ نے محض یزید کی بیعت سے انکار نہیں کیا بلکہ در حقیقت آنے والے دور کی سیاست، تمدن، جمہوریت، سماج اور بنیادی انسانی حقوق کے اصولوں کو بچایا، اپنے اور خانوادۂ نبوت کے خونِ مبارک کی قیمت سے ان میں پیدا ہونے والے ابہام کو ختم کیا۔ آپؓ نے اپنی اور اپنے خاندان کی جانوں کا نظرانہ پیش کر کے دراصل ان بنیادی معاشرتی اصولوں کو حیاتِ نو بخشی۔

[3]Empathy and Leadership: Lessons from the Events of Karbala for Modern Human Resource Management (www.linkedin.com)23-05-2025

قانونی تناظر:

آپؑ کے عمل اور قربانی نے آنے والے دور میں قانونی (Legitimate) حکومت کے معیارات کو بھی واضح کیا اور شاید تاریخِ انسانی میں پہلی بار عوامی سطح پر Defacto (بالفعل، بلاجواز یا غیر قانونی) اور Dejure (بالحق، قانونی یا جائز) حکومت کا شعور فراہم کیا کہ آیا کوئی حکومت Dejure ہے یا Defacto ہے- اگر معاشرہ کسی Defacto حکومت کو تبدیل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کو ایک Dejure حکومت بھی نہ مانیں بلکہ ایسا کہیں کہ یہ ایک ناحق، غیر اخلاقی اور غیر قانونی حکمرانی ہے- کیونکہ ایسا کرنے سے کم از کم آپ اپنے سیاسی اور قانونی حق اور دعوے سے دستبرداری کا اعلان نہیں کرتے جبکہ اس کو تسلیم کرنا اس کو جائز قرار دینے کے مترادف ہے- اس طرح آپؑ نے جمہوری اقدار میں جدت لا کر علمِ احتجاج بلند کرنے کا طریقہ سیکھا دیا-

آج کے دور میں حقوق و فرائض کے حوالے سے کچھ اصول ایسے ہیں جن پر اہلِ علم میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے جس کے تحت آپ کا کوئی عمل یا اختیار اس وقت تک آپ کا حق نہیں کہلاتا جب تک کہ کوئی Competent Authority اس کو تسلیم نہ کرے- یعنی کوئی حق خود ساختہ طور پر اس وقت تک Declare نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی مجاز اور اہل مقتدرہ اس کو تسلیم نہ کر لیں- مثال کے طور پہ کسی قانونی حق کے لیے ضروری ہے کہ ملک کا قانونی نظام (Competent Authority) اس کو تسلیم کر لے تب وہ آپ کا قانونی حق کہلائے گا- اسی طرح کوئی اخلاقی یا معاشرتی حق اسی صورت میں آپ کا حق تصور کیا جائے گا جب تسلیم شدہ معاشرتی اقدار اور اخلاقیات کا معیار (Competent Authority) اس کو تسلیم کر لے- بعین اسی صورت حقِ حکمرانی کے لیے لازم ہے کہ متعلقہ جگہ کا آئین، سیاسی اقدار، جمہوریت، نظریات یا مذہبی اصول اسے تسلیم کریں-

چاروں سنی فقہوں کے مروجہ طبقاتِ صحابہ میں آپؑ کے مقام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کا مقام مذہبی اور روحانی حلقہ اثر (Spiritual & Religious Domain) میں بذاتِ خود Competent Authority سے کم نہ تھا- یزید کا آپؑ کی بیعت پر اصرار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سندِ حکمرانی کے لیے آپؑ کے اہل اور مقتدر حیثیت کا قائل تھا- اگر امام پاکؑ کو مذہبی اور روحانی حلقہ اثر میں اتھارٹی تسلیم نہ کیا جاتا تو ان سے سند حاصل کرنے کی اہمیت بھی نہ ہوتی - یزید جانتا تھا کہ مجاز اتھارٹی کون ہیں؟ اور کس کا میری حکمرانی کو تسلیم کرنا ضروری ہے؟ آپؑ نے دراصل مذہبی اور روحانی حلقہ اثر کی "مقتدر حیثیت" کے بھرم کو سلامت رکھا اور اس اتھارٹی کے وقار کو اپنا آپ قربان کر کے پامال ہونے سے بچایا - جدید دور کے نظامِ حکومت میں Check and Balance کا ایک مؤثر تصور موجود ہے جس کے تحت عدلیہ اور مقننہ، انتظامیہ پر Check & Balance رکھتی ہے اور اگر ان کا یہ کردار سمجھوتے کا شکار ہو جائے تو عدلیہ اور مقننہ کا ادارہ بذاتِ خود اپنی وقعت کھو بیٹھتا ہے- اسی طرح اس وقت کے روحانی اور مذہبی شخصیات نے یہ Check and balance کا کردار ادا کرنا تھا- آپؑ نے یہ کردار بخوبی نبھا کر نہ صرف اسلامی حکومت کے تصور کو تباہی سے بچایا بلکہ مجاز اتھارٹی یعنی "مذہبی و روحانی مقتدر حیثیت" کے تصور اور اس کی قدر و منزلت کو برقرار رکھا-

نظریاتی تناظر میں:

یزید حال کو دیکھتا رہا اور امام پاکؑ کی نظر اس دنیا کے اعتبار سے قیامت تک آنے والی اُمت کے مستقبل پر تھی اور اس مستقبل میں بننے والی تاریخ پر تھی- اور دوسرے اعتبار

سے آپؑ کی نظر قیامت کے بعد میدانِ حشر اور میزانِ حق پر تھی- آپؑ کی چاہت عارضی اور ادنیٰ مقاصد کی بجائے اعلیٰ مقاصد کا حصول تھا جس کے تحت دو جہانوں کی فلاح مقصود تھی- اگر آپؑ کا مقصد صرف حصولِ اقتدار ہوتا تو ایسے میں حکمت عملی مختلف ہوتی اور یوں خود کو اور پورے خاندان کو ہرگز قربان نہ کرتے- تب تقاضا یہ ہوتا کہ سمجھوتہ کر لیتے، وقتی کنارہ کشی اختیار کر لیتے، صحیح وقت کا انتظار کرتے اور سب کچھ ایسے ہرگز نا گنواتے- ایسی عظیم قربانی تب دی جاتی ہے جب نظر کسی بڑے مقصد پر ہو- آپؑ کی نظر اپنے اقدامات کے مستقبل میں اثرات اور نتیجہ پر تھی- اس کو Futuristic approach کہتے ہیں- جس کے تحت وقتی نفع اور نقصان کی بجائے دوررس حکمتِ عملی کو مدِ نظر رکھ کر فیصلے لیے جاتے ہیں- مثلاً ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر کسی موجودہ فائدے کی خاطر یا کسی ممکنہ نقصان سے بچنے کیلئے ایمان، غیرت، حمیت، نظریات، عزت، عقائد اور اصولوں پر سمجھوتہ کرنا پڑے تو نظریہ ضرورت کے تحت کر لیا جائے کیونکہ فائدے کا حصول یا کسی پیشگی نقصان سے احتراز برتا جا سکتا ہے- آپؑ نے اس کے برعکس موجودہ نفع و نقصان کی بنا پر فیصلے لینے کی بجائے ان اعلیٰ اقدار پر پڑنے والے موجودہ اور ممکنہ اثرات کے تناظر میں فیصلوں کا انتخاب کیا- جن کی بدولت اجتماعی کردار میں ان اعلیٰ اقدار کی حوصلہ افزائی اور نشوونما کو پیشِ نظر رکھا گیا- آپؑ اس راستے پر غیر ارادی طور پر نہیں پہنچے کہ محض حالات کے ناموافق منظر نامہ، دشمن کی منصوبہ سازی یا اپنوں کے مکروفریب کے نتیجے میں اس صورتِ حال سے دو چار ہوئے بلکہ Strategic Thinking کے نظریہ کے مطابق بڑی حکمت عملی کو مد نظر رکھ کر ارادی طور پر اس راستے کا انتخاب فرمایا- آپؑ کا مقصد فکرِ اسلام، اخلاقی اقدار، معاشرتی نظم و ضبط، تمدنی روایات اور خصوصاً خلافت کے بطور ادارہ تحفظ کو یقینی بنانا تھا- یہی معززین زمانہ کی راہ و روش ہوتی ہے کہ اپنے دور کے فکری تخریب، سیاسی منافقت اور نظریاتی مکاری کا نہ صرف ادراک رکھیں بلکہ ضرورت پڑنے پر عملی جدوجہد اور قربانی کے ذریعے تاریخ کے حقائق کو درست رکھیں- آپؑ کے لیے آسان تھا کہ خاموش رہتے لیکن آپؑ کی دور اندیشی نے حالات کی سنگینی کو بھانپ لیا تھا کہ مسئلہ صرف سیاسی اختلافات کا نہیں بلکہ اس کا تعلق نظریاتی و فکری انحطاط اور اسلامی قدروں کے پامال ہونے سے ہے - یہ آپؑ کی قائدانہ صلاحیتوں میں سے دور اندیشی کا کمال تھا کہ اس معرکہ کو میدانِ کربلا سے نوعِ انسانی کے شعور میں لے جا کر اس کے ذریعے حق اور باطل کے استعارے وضع کر دیے- امام پاکؑ اس کو محض برتری اور پسپائی کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے اسے جدید دور میں پائے جانے والے 5th Generation war کے تصور کے طور پر دیکھ رہے تھے جہاں آپؑ نے بیانیہ کی فتح کو ذاتی قربانی پر ترجیح دی- آپؑ جانتے تھے کہ آپؑ کے بیانیہ کی شکست کی صورت میں اسلامی اقدار خصوصاً تصور خلافت کے اصول بگڑ جاتے-

حکمرانی یا راہنمائی؟

ممکن ہے کوئی قائد، حکمران بن جائے لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر حکمران، راہنما کہلائے- حکمرانی اور راہنمائی واضح طور پر دو الگ الگ تصورات ہیں- حکمرانی حسب ضابطہ دستور کے مطابق ایک رسمی منصب ہے جبکہ راہنما کے لیے مسند اور اقتدار لازم نہیں- حکمرانی تک کیسے بھی پہنچا جا سکتا ہے اور ممکنہ طور پر کوئی بھی راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے- تاریخ انسانی شاہد ہے کہ متعدد بار تو یہ راستہ ذلت و رسوائی کی پستیوں سے گزر کر اپنی ذات کو جانوروں سے بھی بدتر مقام پر پہنچا کر، اخلاقیات کے معیارات کو تہہ و بالا کر کے، روایات اور ضابطوں کو پیروں تلے روند کے حکمرانی تک پہنچتا ہے- اس کے برعکس راہنما زور زبردستی اور دھونس دھاندلی سے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ وہ اپنے کردار، اخلاق، نظریہ، بصیرت اور دور اندیشی سے یہ مقام حاصل کر لیتا ہے- حکمران محض اپنے اقتدار کے مرہون منت ہی منظر نامہ پر رہ سکتا ہے جبکہ راہنما اپنے افکار و نظریات اور مقاصد و اصولوں کے

ذریعے امر ہو جاتا ہے۔ دونوں حلقوں کے مطمع نظر اور سوچ کے زاویے مختلف ہوتے ہیں اور امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) نے دونوں کے طرزِ فکر اور ذہنی کیفیت کو آشکار کیا۔ جیسا کہ آپؓ نے بطور راہنما کے فکری، نظریاتی اور شعوری سرحدوں پر فتح کو میدانِ کربلا کی ظاہری جنگی فتح پر ترجیح دی۔

دیکھا جائے تو یہ معرکہ کربلا ایک عظیم راہنما اور ایک جابر حکمران کے مابین تھا جہاں یزید کہاں جیتا؟ بظاہر اس کی تلوار برتری لے گئی لیکن اس برتری کو امام پاکؓ کی شانِ استقامت مات دے گئی۔ کیا وہ میدان کربلا میں غالب رہا؟ در حقیقت غلبہ تو امام پاکؓ کے جذبۂ شہادت نے حاصل کیا۔ یزیدی جبر کا مقصد آپؓ کی استقامت کو ہرانا اور آپؓ کے جذبہ شہادت کو ماند کرنا تھا۔ تو کس نے کس کو ہرایا؟ یزید کا مقصد بیعت کے ذریعے آپؓ کو مطیع کرنا تھا جبکہ امام پاکؓ کا مقصد جبر کا جھوٹا خول توڑنا تھا۔ آپؓ نے کلمہ حق کا حق ادا کر دیا اور وہ بیعت حاصل نہ کر سکا۔ یزید کا مقصد ایک غلیظ بیانیہ کی تشہیر تھا جبکہ ذہنوں نے امام پاکؓ کے سچے بیانیے کو قبول کیا۔ وہ امام پاکؓ کو خوف کے ذریعے توڑنا چاہتا تھا تو یہاں آپؓ کی ثابت قدمی نے اس کے عزائم کو شکست دی۔ اگر یزید نے عددی برتری کی بنا پر حاوی ہونا چاہا تو آپؓ نے قربانی کا انتخاب کر کے اس کی یہ مراد بھی پوری نہ ہونے دی۔ اگر وہ میدان میں خوف کو بطور ہتھیار لایا تو اس کے مقابلے میں آپؓ کا اطمینان جیتا۔ اس نے چاہا کہ آپؓ کا سر مبارک جھکائے تو آپؓ نے وہ سر مبارک بارگاہ ذوالجلال میں پیش کر دیا۔ راہنما کی سوچ جیت گئی اور حکمران در حقیقت آپؓ سے متعلق اپنی ایک بھی آرزو پوری نہ کر سکا اور نہ ہی آپؓ نے اس کو اپنے کسی ایک مقصد میں کامیاب ہونے دیا۔ پس آپؓ نے بطور راہنما یہ ثابت کیا کہ عزائم، مقاصد، مطلوبہ نتائج مرتب کرنے کی کوشش اور ممکنہ اثرات قائم کرنے کی خواہش میں کامیابی محض حصول اقتدار کے مرہون منت نہیں ہیں۔

اختتامیہ:

عقل انسانی اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو معرکہ کربلا کا مطالعہ ہمیشہ سے مسلم تہذیب کو نت نئے اندازِ فکر دیتا آیا ہے کہ یہ قربانی کی لازوال داستان اپنے اندر لامحدود اخلاقی، قانونی، سماجی، معاشرتی، سیاسی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اسباق سموئے ہوئے ہے۔ معاشرتی ارتقا اور تہذیبی تسلسل پر حضرت امام حسینؓ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اثر واضح ہے جہاں آپؓ کے مدبرانہ نقطہ نظر نے ایک طرف اسلامی تمدنی روایات کے تسلسل کو قائم رکھنے میں مدد فراہم کی اور اس کے تہذیبی اقدار کو آلودہ ہونے سے بچایا، تو دوسری جانب آپؓ کے طرزِ فکر کی بدولت معاشرے کے تشکیلی سفر میں وہ اصول میسر آئے ہیں جو اس کی ساخت کو برقرار رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قدریں نتیجتاً وہ معیارات فراہم کرتی ہیں جو نظریاتی سمت کو درست رکھنے میں ہمیشہ مدد فراہم کرتی رہیں گی۔

یقیناً امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) نے حکمران اور راہنما کے فرق کو ظاہر کر کے عقل و خرد کے میدان میں ان تصورات سے متعلق مضبوط دلائل فراہم کیے اور جابرانہ ذہنیت کی شناخت اور اس کے اثرات کا فہم عطاء کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ شعوری ترقی کے اعتبار سے وہ پیمانے بھی وضع کر دیے جن کی بدولت آنے والے دور میں ان قدروں کے اصل حقدار کا ادراک بھی ممکن ہوا اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ ساتھ ہی ساتھ قانونی اور اخلاقی معیارات کی وہ اعلیٰ مثالیں قائم فرمائیں جو شعوری اور غیر شعوری دونوں سطح پہ رہتی دنیا تک انسانیات کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

☆☆☆

آزادی ہمیشہ سے انسان کی بنیادی ضرورت رہی ہے- اپنے آغاز سے آج تک انسان غلامی کے خلاف جدوجہد کرتا آیا ہے- قدیم زمانے میں غلامی کا تصور جسمانی تسلط اور جبر پر مبنی تھا؛ جہاں ایک انسان دوسرے کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا- لیکن وقت کے ساتھ صنعتی انقلاب، نو آبادیاتی نظام، اشتراکی استبدادیّت اور جدید سرمایہ دارانہ ڈھانچے نے غلامی کو نئی شکلیں دے دیں- اب انسان کی زنجیریں جسم پر نہیں بلکہ ذہن پر پڑتی ہیں- عصر حاضر میں انسان نے بظاہر ترقی کرتے ہوئے خلاؤں کو فتح کیا، ایجادات کا جال بچھایا اور معلومات کا ایک ایسا سیلاب جاری کیا جو سیکنڈوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچتا ہے- اس تمام تر ترقی کے باوجود انسان ایک ایسی غیر محسوس غلامی میں جکڑا جا چکا ہے جسے ہم ”ڈیجیٹل غلامی“ کہہ سکتے ہیں- یہ وہ غلامی ہے، جو آزادی کے لبادے میں لپٹی ہوئی اِنسان کی فکری، اخلاقی اور روحانی آزادی پر گہرا اثر ڈالتی ہے- یہ غلامی تلواروں، زنجیروں یا بیڑیوں کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ سکرینوں، الگورِدھم، ڈیٹا اور مصنوعی ذہانت کے جال کی اسیر ہے- دورِ جدید کا تضاد یہ بھی ہے کہ عالمگیریت نے جہاں دُنیا کو جوڑنے کا کام کیا ہے وہیں اس نے تقسیم بھی کیا ہے- یہ رجحان میڈیا کے بڑھتے ہوئے، پیچیدہ اور ہجوم زدہ منظر نامے سے مزید واضح ہوتا ہے-

ڈیجیٹل غلامی محض ایک تکنیکی اصطلاح نہیں، بلکہ ایک فکری و سماجی المیہ ہے- آج کا انسان جب سوشل میڈیا پہ ایک پوسٹ پر لائیک، کمنٹ اور سٹیئر کے انتظار میں بے چین ہوتا ہے تو اپنی نجی زندگی کے قیمتی لمحات پر سمجھوتا کرتے ہوئے سچائی اور جھوٹ میں فرق کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے- یہ نادیدہ نظام اُس کی سوچ، رائے اور رویوں کو چُپکے سے اپنے قابو میں کر لیتا ہے جس کا اندازہ وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے- یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا پیغامِ حریّت ایک بار پھر روشنی بن کر سامنے آتا ہے- جس میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے صرف سیاسی نظام کے خلاف نہیں بلکہ ایک ایسے ذہنی، فکری اور اخلاقی جبر کے خلاف علم بلند کیا جو انسان کو بے ضمیر، بے شعور اور بے عمل بناتا ہے- فکرِ حسینؓ ہمیں عمل اور قربانی کی طرف رجوع کرنے پر زور دیتی ہے تا کہ ہم اس نئی غلامی کے خلاف فکری ہتھیار حاصل کر سکیں-

جدید دور میں ڈیجیٹل غلامی کے اثرات:

ڈیجیٹل غلامی ایک ایسا تصور ہے جس میں انسان اپنی مرضی اور شعور کے بغیر ایک ایسے نظام کا حصہ بن جاتا ہے جو اس کی ہر حرکت، ہر ترجیح اور ہر سوچ کو متاثر کرتا ہے- ٹیکنالوجی کی ترقی نے جہاں انسان کو آسانیاں دی ہیں، وہیں اُسے اَیسے جال میں بھی پھنسایا ہے جس سے نکلنا اِنتہائی مشکل ہے- سوشل میڈیا، مصنوعی ذہانت، ڈیٹا کلچر اور ایپلیکیشنز کی دُنیا ہمیں اس حد تک قابو میں کر چکی ہے کہ ہماری آزاد مرضی محض ایک فریب معلوم ہوتی ہے- یہ ایک نئی طرز کی غلامی ہے جو بظاہر سہولتوں، آزادیِ اظہار اور عالمی روابط کے نام پر

انسان کو ایک ایسے نظام میں جکڑ رہی ہے جہاں اس کی آزادی، شناخت اور خود مختاری رفتہ رفتہ مٹتی جا رہی ہے۔ انسان 'خودی' اور 'فکر حقیقی' کی بجائے اپنی پہچان کو ویوز، لائک، کمنٹ، شیئر اور فالورز میں تلاش کرتا ہے، جس کے تناظر میں نوجوان ایک ایسی مصنوعی دُنیا میں جینے کی خواہش کرتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک ایسی دُنیا ہے جس میں انسان دوسروں کی توثیق پر جیتے ہوئے ڈیجیٹل اعشاریوں کو کامیابی، خوشی اور راحت سے منسوب کرتا ہے۔

ملیحہ لودھی اپنے ایک آرٹیکل "Digital Dangers" میں نکولس کار کی کتاب:

"Superbloom: How Technologies of Connection Tear Us Apart"

کا ذکر کرتی ہیں جس میں وہ معلومات و مواصلاتی ٹیکنالوجی پر روشنی ڈالتے ہوئے سیر حاصل گفتگو کرتے ہیں۔ کار، لکھتے ہیں کہ معلومات و پیغامات نے جہاں ذہنوں کو وسعت دیتے ہوئے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہیں اس نے غیر متوقع اور غیر ارادی نتائج کو بھی جنم دیا ہے۔ کار، اپنی ایک دوسری کتاب "The Shallows" میں انٹرنیٹ کے ہمارے ذہنوں پر اثرات کے متعلق لکھتے ہیں کہ؛ اس کا بے جا اور غیر ضروری استعمال مطالعہ کرنے، غور و فکر کی صلاحیت، منظم تشخیص و تحقیق اور سمجھ بوجھ کو متاثر کرتا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ: علم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی بجائے یہ خود ایک رُکاوٹ بن جاتا ہے جبکہ اس کے استعمال کرنے والوں میں ہر معاملے میں شارٹ کٹ کا رُجحان اور سطحی سوچ پیدا ہوتی ہے۔ کار، نے سوشل میڈیا اور ان کے چلانے والی کمپنیوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے لکھا کہ! حقائق اور سچ کو فروغ دینے کی بجائے، سوشل میڈیا جھوٹ اور دُشمنی کو بڑھاتا ہے۔ مزید یہ کہ، ڈیجیٹل میڈیا انتہا پسند نظریات، قطبیت، جنون اور طاقت کے عدم توازن کو جنم دیتا ہے۔ اسی طرح برطانوی ماہر اقتصادیات نورینا ہرٹز اپنی کتاب "The Lonely Planet" میں مواصلاتی ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کو "تنہائی کی عالمی وبا" قرار دیتی ہیں۔[1]

اِس ڈیجیٹل اور مصنوعی دنیا میں، ہمارا مقام، عادتیں، گفتگو اور حتیٰ کہ خیالات بھی ٹریک کئے جاتے ہیں۔ Surveillance Capitalism کا نظام ہمیں بغیر کسی جبر کے اپنے قابو میں لے چُکا ہے۔ مصنوعی ذہانت نا صرف ہماری پسند و ناپسند کو متاثر کرتی ہے بلکہ ہماری سیاسی و سماجی سوچ پر بھی اثر ڈالتے ہوئے ہمیں مخصوص راہوں پر گامزن کرتی ہے۔ اِس ڈیجیٹل ورلڈ میں اب صارف صرف خریدار نہیں، بلکہ خود ایک پروڈکٹ بن چُکا ہے جس کے جذبات، عادات اور ترجیحات سب منڈی میں بکتی ہیں۔

اقوام متحدہ کی "تجارت اور ترقی" پر 2024ء کی ایک کانفرنس (UNCTAD) کی رپورٹ کے مطابق:

"2016ء سے 2022ء کے درمیان ای کامرس میں تقریباً 60 فیصد اضافہ ہوا ہے، جس کی مالیت 27 ٹریلین ڈالر بنتی ہے۔ اسی رپورٹ کے مطابق، 2010ء کے بعد سالانہ سمارٹ فون کی ترسیل دوگنی ہوتے ہوئے 2023ء میں 1.2 ارب یونٹس تک پہنچ چکی ہے۔ مزید بر آں! اس رپورٹ میں یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ، 2023ء سے 2029ء کے درمیان انٹرنیٹ آف تھنگز (IoT) کی تعداد متوقع طور پر 39 ارب تک پہنچ جائے گی"۔[2]

اِس ڈیجیٹل عالمی منڈی میں کسی انسان کا ڈیٹا بھی محفوظ نہیں، بلکہ ڈیجیٹل سپیس کے استعمال کے بہاؤ کو دیکھتے ہوئے جدید طریقے سے انسانی رویوں کی پیش گوئی کر کے ان پر اثر

[1] Digital dangers - Newspaper - DAWN.COM

[2] Digital economy booms: UN - Business - DAWN.COM

انداز ہونے کی کوشش کی جاتی ہے- جس کے تناظر میں مخصوص نتائج حاصل کئے جاتے ہیں، جو کہ غلامی ہی کی ایک جدید شکل ہے- معلومات کی بھرمار نے انسان کے لئے یہ مشکل بنا دیا ہے کہ وہ حق و باطل، سچ اور جھوٹ، علم اور جہالت میں فرق کر سکے- اِس ڈیجٹیلائزڈ ورلڈ میں انسان خود کو آزاد سمجھتے ہوئے دوسروں کی مرضی کے مطابق ایک خاموش غلام کی حیثیت سے جیتا ہے- انسانی تشخص کا یہ بحران، معاشرۂ انسانی کے لئے زہر قاتل تصور کیا جا سکتا ہے جہاں جھوٹ کو اِس خوبصورت انداز سے بار بار دہرایا جاتا ہے کہ سچ معلوم ہوتا ہے؛ جو کہ آج کا ”میڈیا ماڈل“ ہے-

یزیدی فکر اور اس کا تسلسل:

یزید محض ایک غاصب حکمران ہی نہیں بلکہ ایک آمرانہ نظریے اور استبدادی طرزِ فکر کا نام ہے- وہ فکر جو طاقت کو سچ، جبر کو قانون اور منافقت کو حکمت عملی قرار دیتی ہے- آج دور جدید میں یزیدی فکر کسی خاص طبقے، قوم یا گروہ تک محدود نہیں، بلکہ ہر وہ نظام، ادارہ یا سوچ جو انسان کی آزادی کو محدود کرے وہ بھی ”یزیدی“ افکار کی عکاس ہے- ڈیجیٹل سرمایہ دارانہ نظام، جو انسان کو صارف سے مصنوعہ (پروڈکٹ) بناتا ہے اسی یزیدی فکر کی جدید شکل ہے- جو اس کے استعمال کرنے والوں کے سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور ہر طرح کے دیگر فیصلوں پر اختیار رکھتا ہے- یہی وہ فکر ہے جو انسان سے قوت فیصلہ چھین کر، بے اختیار، بے یقین اور بے ایمان کر دیتی ہے- اس فکر کے حاملین، ملک و ملت میں انتشار، غیر یقینی اور فساد کو ہوا دیتے ہیں، جس کا بہترین ذریعہ یہ ڈیجیٹل میڈیا ہے- بھائی چارے، مساوات اور حب الوطنی سے عاری یہ نظام مذہبی اور طبقاتی تقسیم کے ساتھ علمی، فکری اور عقلی گراوٹ کا بھی شاخسانہ ثابت ہوتا ہے- اس وقت نوجوان نسل سب سے زیادہ ڈیجیٹل دُنیا سے جُڑی ہوئی ہے- اُن کے خیالات، رُجحانات، خواب اور حتیٰ کہ ان کی خودی، سب کچھ میڈیا کے ذریعے تشکیل پاتا ہے- یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں فِکرِ حُسینؓ کو تعلیم و تربیت اور سوشل ڈسکورس کا حصہ بنانا ہو گا- کیونکہ کربلا صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں، بلکہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی فکری و اخلاقی جدوجہد ہے- حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے کسی شخصی دُشمنی کے تحت یزید سے اِختلاف نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسے نظام کی مخالفت کی تھی جو ظلم، فریب، مفاد پرستی اور جبر پر قائم کیا گیا-

حسینیؓ فکر میں آزادی کا اطلاق:

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے کربلا میں جو چراغ جلایا، وہ صرف 61 ھ کیلئے مخصوص نہیں تھا بلکہ وہ ہر دور کی تاریکیوں کو اجالوں میں بدلنے کی طاقت رکھتا ہے- آج جب انسان ڈیجیٹل غلامی کا شکار ہے، تو ضروری ہے اُسی فکر کی طرف لوٹا جائے- ٹیکنالوجی بذات خود نہ اچھی ہے نہ بُری، یہ صرف ایک آلہ ہے جو اگر خودی پر غالب آجائے تو غلامی پیدا کرتا ہے- جیسا کہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

”فرنگی تہذیب میں اگرچہ ہر چیز ہے، مگر دلِ بیدار نہیں“-

حسینیؓ آزادی صرف سیاسی یا ظاہری سطح پر آزادی نہیں، بلکہ وہ ایک فکری، روحانی اور اخلاقی آزادی کی علامت ہے- فکرِ حسینؓ ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ اگر کوئی نظام تمہیں حق گوئی، صلح رحمی، بھائی چارے، رحم دلی اور ضمیر پر قائم رہنے سے روکے تو اس کے خلاف قیام کرو، چاہے تم اکیلے ہی کیوں نا ہو- جیسا کہ آپ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

”میں بے شک شہادت کو سعادت شمار کرتا ہوں اور ظالموں میں زندگی بسر کرنا مجھے ناپسندیدہ ہے“-[3]

[3](المعجم الكبير للطبرانی، باب: الحسين بن علی بن أبی طالب)

آپ (رضی اللہ عنہ) کا یہ فرمان عزت و وقار سے جینے کی ترغیب دیتا ہے-ڈیجیٹل غلامی کی صورت میں اگر انسان خود مختار نہ رہے تو یہ روحانی و فکری ذِلت کے مترادف ہے- حسینیؓ آزادی انسان کو ظاہری و باطنی غلامیوں سے آزادی کا درس دیتی ہے- حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے ہمیں حق اور باطل میں فرق کرنے کی فکر دی، جو بصیرت اور شعور عطا کرتی ہے- جیسا کہ آپ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

”بے شک دنیا تبدیل ہو گئی ہے اور اچھی حالت سے نکل کر بری حالت کی طرف چلی گئی ہے اور دنیا کی اچھائی نے پیٹھ پھیر لی ہے“-[4]

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) یہاں معاشرتی برائیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آزاد فکر اور غیریتِ انسانی کو جگانے پر زور دے رہے ہیں، جو کہ دور جدید کا تقاضا بھی ہے۔ حکومتیں اور برسرِ اقتدار لوگ جو اظہارِ رائے، معلومات تک رسائی یا پرائیویسی پر قدغن لگائیں، وہ انسان کی حقیقی آزادی کی دُشمن ہیں- فِکرِ حُسینیؓ، غافلوں کو جھنجوڑ کر یہ پکارتی ہے کہ ڈیجیٹل بے حسی سے بیدار ہونا ہو گا- ہمیں ٹیکنالوجی کا غلام بنے بغیر اس کے حاکم بن کر اسے خیر کے کاموں میں استعمال کرنا ہو گا- اگرچہ یہ راستہ انتہائی مشکل، کٹھن، دُشوار اور آزمائشوں کا ہے، مگر یہی ”حُسینی راستہ“ ہے-

امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی فِکرِ آزادی سے اگر ہم نتیجہ اخذ کریں تو درج ذیل نکات نکل کر سامنے آتے ہیں:

- شعور کو بیدار کریں-
- ٹیکنالوجی کو اپنا خدمت گزار بنائیں، آقا نہیں-
- حق گوئی، عدل اور آزادی کے اصولوں پر قائم رہیں-
- ’کربلا‘ صرف تاریخ نہیں، بلکہ ہر دور کی آزمائش ہے اور ظلم کے خلاف کھڑے ہوں-
- دجالی قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں-
- مصنوعی ذہانت کی تخلیق کو سمجھیں-
- نفرت زدہ تقسیم اور تفریق کا انکار کریں-
- غیر حق کا انکار کریں-
- خودی اور فکر حقیقی کو اجاگر کریں-
- جذبات کو قابو میں رکھیں-
- شیطانی خصائل کو رد کریں-
- اوصافِ حقیقی کا مظہر بنیں-
- اپنے عمل سے ذِمہ دار شہری، اُمتی اور انسان ہونے کا ثبوت دیں-
- میڈیا کے استعمال میں احتیاط برتیں-
- گالم گلوچ نہ کریں، نہ ہی کسی کی کردار کشی کا حصہ بنیں

ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈیجیٹل غلامی کے اس دور میں پیغام کربلا کی از سرِ نو تفہیم کی جائے جو انسان کو اپنے ضمیر، عقل اور حق پر قائم رہنے کی جرأت فراہم کرتی ہے- حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی یہ فکر ہر قسم کی غلامی کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے، چاہے وہ جسمانی ہو یا ڈیجیٹل-جیسا کہ آپ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

”رہنمائے قوم وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن پر عمل کرے، عدل کو اپنائے، حق کا طرف دار ہو، اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس پر توکل رکھے“-[5]

جدید انسان اگر حسینیؓ فکر کو اپنا لے، تو نہ صرف ڈیجیٹل غلامی سے نجات پا سکتا ہے بلکہ ایک ایسی دُنیا کی تعمیر کر سکتا ہے جو علم، عدل، انصاف، قربانی، بھائی چارے، شعور اور آزادی پر قائم ہو- دلِ بیدار، فکر بیدار اور ضمیرِ زندہ- یہی وہ عناصر ہیں جو حسینیؓ درس کا مرکز ہیں-

☆☆☆

[4](ایضاً)

[5](تاریخ الرسل والملوك للطبری،باب: ذكر الخبر عن مراسله الكوفيين الحسين عليه الصلوٰة والسلام)

مودتِ اہل بیت: ایک عظیم دینی فریضہ

فکری خطاب: صاحبزادہ سلطان احمد علی

سیکرٹری جنرل: اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین
خانوادۂ سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھُو قدس اللہ سرّہٗ

(میلادِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و حق باھو کانفرنس، دربار حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) 16 جولائی 2024ء)

تاریخ اور تاریخی حوالے اپنی جگہ مسلّم تو ہوتے ہیں، لیکن تاریخ چونکہ انسانوں نے لکھی ہے اس لئے اس سے اتفاق اور اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے- لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے، اس میں اختلاف نہیں کیا جاسکتا- لہٰذا اہل بیت سے ہماری محبت و مودّت کا رشتہ محض تاریخی نوعیت کا نہیں بلکہ فی الاصل اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب نے استوار کیا ہے-

جس کو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت تاریخ یا شاعری کے حوالے سے ہے وہ اپنی جگہ بجا ہے- لیکن یاد رکھیں! ہمیں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت قرآن کریم نے سکھائی ہے جو کہ آپ (رضی اللہ عنہ) سے محبت کا سب سے معتبر حوالہ ہے- یہاں پنجتن پاک کی نسبت سے پانچ آیات کریمہ برکت کیلئے پیش کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ قرآن کریم کس کس مقام پہ مودتِ اہل بیت (رضی اللہ عنہم) میں ناطق ہے-

پہلی آیت

قرآن مجید نے ہمیں ایک دعا سکھائی ہے جس کو ہم اپنی نماز کی ہر رکعت میں مانگتے ہیں:

”اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ“[1]

”ہم کو سیدھے راستہ پر چلا“-

علامہ ابو الحسن الماوَردی، (المتوفی: 450ھ) تفسیر ”اَلنُّكَتُ وَالْعُيُوْنِ“ میں لکھتے ہیں کہ:

علماء و محققین نے صراط مستقیم کی تفسیر میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں- مثلاً کتاب اللہ، دین اسلام، اسی طرح چار قول بیان فرمائے ہیں- اُن میں سے ایک قول یہ ہے کہ صراط مستقیم سے مراد:

”هُوَ رَسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وَ أَخْيَارُ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَأَبِي الْعَالِيَةِ الرِّيَاحِيِّ“

”رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آل پاک کی نامور شخصیات اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی ذواتِ مبارک مراد ہیں- اور یہی قول امام حسن بصری اور حضرت ابو العالیہ الریاحی (رحمۃ اللہ علیہما) کا ہے“-

علامہ القاضی عیاض مالکی (المتوفی: 544ھ) ”الشفا بتعریف حقوق المصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)“، شارح صحیح بخاری علامہ أحمد بن محمد بن ابی بکر القطلانی (المتوفی: 923ھ) ”المواهب اللدنیہ“ میں امام الماوَردی کے درج بالا قول مبارک سے موافقت فرمائی ہے-

حج بیت اللہ کو جانا، اعمال صالح پر قائم ہو جانا، توبہ کی توفیق نصیب ہو جانا، اللہ پاک کی توحید میں کسی طرح کا شک اور وسوسہ نہ رہنا، اللہ کی راہ کے اندر زندگی میں استقامت اختیار کرلینا، کثرت سے ذکر اور توبہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونا، اس کی بارگاہ میں عجز و نیاز اور انکساری پیش کرنا یہ سب چیزیں صراط مستقیم میں آتی ہیں- مگر علماء محققین کے نزدیک صراط مستقیم کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے مولا! مجھے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اہل بیت (رضی اللہ عنہم) کی محبت عطا فرما-

دوسری آیت

[1] (الفاتحہ:5)

یہی وجہ ہے کہ ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ:

"صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "[2]

"ان لوگوں کا راستہ (دکھا) جن پر تونے انعام کیا"-

محی السنہ، امام البغوی (المتوفی: 510ھ) "تفسیر البغوی" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عبدالرحمن بن زید (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا کہ انعام یافتہ لوگوں سے کون مراد ہیں تو انہوں نے فرمایا:

رَسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وَأَهْلُ بَيْتِهِ

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اہل بیت (رضی اللہ عنہم)"-

حضرت شہر بن حَوشَب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ:

"هُمْ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وَأَهْلُ بَيْتِهِ"

"وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرام اور آپ کے اہل بیت (رضی اللہ عنہم) ہیں"-

اندازہ لگائیں! جب مسلمان نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو دو مرتبہ اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) سے اپنی نسبت اور توسل اختیار کرتا ہے-ایک "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" اور دوسرا "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے- لہٰذا از روئے قرآن حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اہل بیت اطہار حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہراء، امام حسن اور امام حسین (رضی اللہ عنہم) سے نسبت اور ان کی غلامی اختیار کر کے ان کے پاک دامن سے وابستہ ہو جانا صراط مستقیم ہے اور ان کی پاکیزہ ذاتیں وہ انعام یافتہ لوگ ہیں جن کی پیروی کی دعا فاتحہ میں ہے-

تیسری آیت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى"[3]

"اور بیشک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا"-

امام ابو جعفر ابن جریر الطبری (المتوفی: 310ھ) "تفسیر طبری"، امام قرطبی (المتوفی: 671ھ) نے "تفسیر قرطبی"، امام ابو الفرج ابن جوزی "تفسیر زاد المسیر" اور شیخ الاسلام، امام ابن حجر الہیتمی (المتوفی: 974ھ) "الصواعق المحرقہ" میں اِس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے ساتھ یہ قول بھی لکھتے ہیں کہ:

حضرت ثابت بُنانی (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

إِلٰى وِلَايَةِ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

پھر ہدایت اہل بیت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت میں پائی ہو-

یعنی جو ایمان لایا، جس نے توبہ کی، جس نے اعمال صالحہ اختیار کیے اور جس نے اہل بیت کے نقش قدم کی پیروی اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کا اعلان فرماتا ہے اور اس کو ہدایت کی سند عطا فرماتا ہے-

چوتھی آیت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ"[4]

"اور جب ہم نے (بنی اسرائیل سے) فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے کہ نیکی والوں کو اور زیادہ دیں"-

تفسیر خزائن العرفان میں ہے:

"اِس بستی سے مراد: بیت المقدس ہے، یا اریحا جو بیت المقدس کے قریب ہے-تو یہ دروازہ بنی اسرائیل کے لئے بمنزلہ کعبہ کے تھا کہ اس میں داخل ہونا اور اس کی طرف سجدہ کرنا سببِ کفارہء ذنوب قرار دیا گیا-

مسئلہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ مقامات متبرکہ جو رحمت الٰہی کے مورد ہوں، وہاں توبہ کرنا اور طاعت بجالانا ثمرات نیک اور سرعتِ قبول کا سبب ہوتا ہے- (یعنی جلدی قبول کا سبب ہوتا ہے)

---

[2] (الفاتحہ:6)

[3] (طہ:82)

[4] (البقرۃ:58)

اسی لئے صالحین کا دستور رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے موالد و مزارات پر حاضر ہو کر استغفار و اطاعت بجالاتے ہیں عرس و زیارت میں بھی یہ فائدہ متصور ہے"۔

امام طبرانی نے "معجم الاوسط، معجم الکبیر، معجم الصغیر" میں ایک روایت حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) اور ایک روایت حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے نقل کی ہے۔

"حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

"إِنَّمَا مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ، مَنْ رَكِبَهَا نَجَا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ إِنَّمَا مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مَثَلُ بَابِ حِطَّةٍ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مَنْ دَخَلَ غُفِرَ لَهُ"

"میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا وہ غرق ہوا۔ بے شک میری **اہل بیت کی مثال تم میں بنی اسرائیل میں باب حطہ کی طرح ہے جو اس میں داخل ہوا اس کی بخشش کر دی گئی**"۔

اس روایت کی وضاحت میں شیخ الاسلام امام ابن حجر الہیتمی (المتوفی: 974ھ) "الصواعق المحرقہ" میں لکھتے ہیں:

"وَبِبَابِ حِطَّةٍ أَنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَ دُخُولَ ذٰلِكَ الْبَابِ الَّذِي هُوَ بَابُ أَرِيحَاءَ أَوْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ مَعَ التَّوَاضُعِ وَالِاسْتِغْفَارِ سَبَبًا لِلْمَغْفِرَةِ"

"اور بے شک اللہ تعالیٰ نے باب حطہ اور یہی باب اریحا ہے اور بیت المقدس میں عاجزی اور استغفار کے ساتھ داخل ہونے کو بخشش کا سبب بنا دیا"۔

یعنی باب حطہ بنی اسرائیل کیلئے تھا، جس میں گناہ گار اپنے گناہوں اور بدکاریوں کے ساتھ گزرتے تھے اور گناہوں سے پاک وصاف اور شفاف ہو کر نکلتے تھے۔

اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے باب حطہ کیا ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن حجر الہیتمی "الصواعق المحرقہ" میں لکھتے ہیں:

"وَجَعَلَ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ مَوَدَّةَ أَهْلِ الْبَيْتِ سَبَبًا لَهَا"

"اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کیلئے اہل بیت کی مودت کو بخشش کا ذریعہ بنادیا اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہ) کی مودت اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے باب حطہ ہے"۔

جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مَثَلُ بَابِ حِطَّةٍ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مَنْ دَخَلَ غُفِرَ لَهُ

بے شک میری اہل بیت کی مثال تم میں بنی اسرائیل میں باب حطہ کی طرح ہے جو اس میں داخل ہوا، اس کی بخشش کر دی گئی۔

ملا علی القاری "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" میں اسی حدیث پاک کے تحت لکھتے ہیں:

"فِيكُمْ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ"، أَيْ فِي سَبَبِيَّةِ الْخَلَاصِ مِنَ الْهَلَاكِ إِلَى النَّجَاةِ "مَنْ رَكِبَ نَجَا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ" فَكَذَا مَنِ الْتَزَمَ مَحَبَّتَهُمْ وَمُتَابَعَتَهُمْ نَجَا فِي الدَّارَيْنِ وَإِلَّا فَهَلَكَ فِيهِمْ"

"فِيكُمْ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ" یعنی تمہارے لیے (اہل بیت کو) ہلاکت سے نجات کا سبب بنایا، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا اسی طرح جس نے ان کی محبت اور ان کی متابعت کو لازم پکڑا وہ دارین میں نجات پا گیا۔ ورنہ وہ (ان کے حق مودت کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے) ہلاکت میں پڑا۔

لہٰذا جو بھی اہل بیت (رضی اللہ عنہم) کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا بلکہ اس کے اجر میں اضافہ بھی فرمائے گا۔

پانچویں آیت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ"[5]

[5](الشوریٰ:23)

"آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوائے قرابت کی محبت کے، اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس نیکی کے حسن کو اور بڑھادیں گے، بیشک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت قدر کرنے والا ہے"۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمارہے ہیں کہ اے مومنو! میں نے تم تک قرآن کریم کے ذریعے جو ایمان، ہدایت، رحمت اور نجات پہنچائی ہے ان کے بدلہ میں مَیں تم سے کوئی صلہ یا اُجرت نہیں چاہتا- بلکہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم فرماتا ہے کہ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان مومنوں کو حکم کریں کہ مَیں تم تک یہ سامانِ ہدایت اور نجات کے صلہ میں یہی چاہتا ہوں کہ تم سب میرے اہل بیت کی مودت اختیار کرو-

بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جن میں آپ کے پاس کسی عمل کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے-اسی طرح بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ اگر پوری بستی یا معاشرے میں سے ایک فرد بھی وہ کام سرانجام دے دے تو پوری بستی کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے- لیکن یاد رکھیں! اہل بیت کی محبت فرض کفایہ نہیں ہے کہ کسی ایک نے کرلی تو بات پوری ہو جائے گی بلکہ اہل بیت کی مودت اختیار کرنا ہر شخص پر لازم ہے-یہی وجہ ہے کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے یہ واضح لکھا ہے کہ اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کی محبت دین کے فرائض میں سے ہے-

"امام طبرانی "المعجم الاوسط" میں نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اِلْزَمُوْا مَوَدَّتَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ"

"ہم اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو"-

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"، نازل ہوئی تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی:

"يَارَسُوْلَ اللهِ مَنْ قَرَابَتُكَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟ قَالَ: عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا"[6]

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے قرابت داروں میں سے وہ کون ہیں جن کی مودت ہمارے اوپر واجب ہے- آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا حضرت علی، حضرت فاطمہ اور ان کے دو بیٹے (حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم))"-

حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ: اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ، اُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ"[7]

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو- اور (دوسری چیز) میرے اہلِ بیت ہیں- میں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، ان کے معاملے میں خدا سے ڈرنا"-

علامہ ابن حجر مکی "الصواعق المحرقۃ" میں لکھتے ہیں:

"وَ فِيْ اَحَادِيْثِ الْحَثُّ عَلَى التَّمَسُّكِ بِاَهْلِ الْبَيْتِ اِشَارَةٌ اِلٰى عَدَمِ انْقِطَاعِ مُتَاَهِّلٍ مِّنْهُمْ لِلتَّمَسُّكِ بِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَمَا اَنَّ الْكِتَابَ الْعَزِيْزَ كَذٰلِكَ"

"جن احادیث میں اہل بیت سے تمسک کی ترغیب دلائی گئی ہے ان میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ قیامت تک ان میں سے کسی کے ساتھ تمسک میں انقطاع نہیں کرنا- کیونکہ کتاب عزیز یہی کچھ بیان کرتی ہے"-

حیرانی اور تعجب ہوتا ہے کہ لوگ کس قدر غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں اور جو دل میں آتا ہے سوشل میڈیا پہ

[6](المعجم الکبیر/مجمع الزوائد)

[7](صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

ایک طوفان جاری کر دیتے ہیں-حالانکہ قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور آئمہ کرام کے بیان کردہ واضح فضائل موجود ہیں-

امام احمد بن حنبل "فضائل صحابہ" میں نقل کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَبْغَضَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَهُوَ مُنَافِقٌ"

"جس نے ہم اہل بیت کے ساتھ بغض رکھا وہ منافق ہے"-

حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

إِنَّا كُنَّا لَنَعْرِفُ الْمُنَافِقِيْنَ نَحْنُ مَعْشَرُ الْأَنْصَارِ بِبُغْضِهِمْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ"[8]

"بے شک ہم جماعتِ انصار، منافقین کو حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے بغض کی وجہ سے پہچان لیتے تھے"-

یعنی منافق کو پہچاننے کی کسوٹی ذکرِ علی ہوتا تھا-جب منافق کو پہچاننا ہوتا تو ذکرِ علی (رضی اللہ عنہ) شروع کر دیتے تھے - مومن کا چہرہ ہشاش بشاش ہو جاتا اور منافق کے چہرے پر بل پڑ جاتے تھے-تو ہم پہچان جاتے تھے کہ یہ منافق ہے-

الغرض! اللہ پاک نے اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کو سراپا ہدایت بنایا ہے -اس لئے اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کی وابستگی سے ہدایت اور نجات نصیب ہوتی ہے اور اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) سے کنارہ کشی گمراہی پیدا کرتی ہے-یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کی محبت و مودت کو وجوب و فرائض کا درجہ دیا گیا ہے-

اس لئے یہ شعور ہونا چاہئے کہ اہل بیت (رضی اللہ عنہم) کے نفوس قدسیہ امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عام افراد کی طرح نہیں ہیں-یہ ہر قسم کی گمراہی سے پاک ہیں جس کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ:

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا"[9]

"بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے) اہل بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے"-

انہی نفوس قدسیہ کو زمین والوں کے لئے نجات دہندہ بنا دیا گیا ہے جیسا کہ امام احمد ابن حنبل نے سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"اَلنُّجُوْمُ أَمَانٌ لِأَهْلِ السَّمَاءِ، إِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ ذَهَبَ أَهْلُ السَّمَاءِ، وَأَهْلُ بَيْتِيْ أَمَانٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ، فَإِذَا ذَهَبَ أَهْلُ بَيْتِيْ ذَهَبَ أَهْلُ الْأَرْضِ"[10]

"ستارے اہل آسمان کیلئے امان ہیں-جب ستارے چلے گئے تو اہل آسمان بھی چلے جائیں گے اور میرے اہل بیت اہل زمین کے لیے امان ہیں جب میرے اہل بیت چلے گئے تو اہل زمین بھی چلے جائیں گے"-

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک محض کتابی علم سے ہدایت نہیں ملتی بلکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قلبی ادب و احترام ہدایت کا ذریعہ ہے اور اسی ادب میں اہل بیت سے محبت کی جاتی ہے:-

جے کر دین علم وچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھُو
اٹھارہ ہزار جو عالم آہا اوہ اگے حسینؑ دے مردے ھُو
جے کجھ ملاحظہ سرورؐ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھُو
جے کر مندے بیعت رسولیؐ پانی کیوں بند کردے ھُو
پر صادق دین تنہاں دا باھوؒ جو سر قربانی کردے ھُو

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل بیت کی مودت و اتباع اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین!

☆☆☆

[8](سنن الترمذی، کتاب المناقب)
[9](الاحزاب:33)
[10](فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل)

شیخ الاکبر ابن العربی اور اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم)

مفتی محمد شیر القادری
صدر محقق: دار العلوم غوثیہ عزیزیہ انوار حق باھو سلطان

اہل بیت اطہار کا ہر معیوب چیز سے پاک ہونا:

شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی فتوحات مکیہ میں اہل بیت اطہار کی طہارت و پاکیزگی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضور رسالت مآب (ﷺ) کو پاک فرمایا اور آپ کے اہل بیت کرام کی تطہیر فرمائی اور ان سے ہر رجس کو دور فرما دیا اور رجس وہ ہے جو انہیں معیوب کرتا ہے کیونکہ عربوں کے نزدیک رجس قذر کو کہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا"[1]

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔[2]

اہل بیت کا عین طہارت ہونا:

شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:

فما ظنك بأهل البيت في نفوسهم فهم المطهرون بل هم عين الطهارة.

اہل بیت کے نفوس کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے؟ بلکہ وہ (اہل بیت) پاک ہیں بلکہ عین طہارت ہیں

فهذه الآية تدل على أن الله قد شرك أهل البيت مع رسول الله، الله في قوله تعالى:

پس یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کرام کو اپنے ارشاد میں رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ شریک کیا ہے-

"لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ"[3]

"تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔[4]

اہل بیت غفران میں داخل ہیں:

شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی فتوحات مکیہ میں اسی آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"فدخل الشرفاء أولاد فاطمة كلهم ومن هو من أهل البيت مثل سلمان الفارسي إلى يوم القيامة في حكم هذه الآية من الغفران، فهم المطهرون اختصاصاً من الله وعناية بهم لشرف محمد صلى الله وعناية الله به، ولا يظهر حكم هذا الشرف لأهل البيت إلا في الدار الآخرة فإنهم يحشرون مغفوراً لهم"[5]

اس میں حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) کی اولاد پاک سے قیامت تک تمام شرفاء سادات اس آیت کے حکم سے غفران میں داخل ہیں اور وہ جو حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کی مثل ہیں پس اہل بیت کرام اللہ تعالیٰ کے اختصاص و عنایت سے حضور رسالت مآب (ﷺ) کے شرف کے لئے پاک اور مطہر ہیں اور اہل بیت کیلئے اس

[1] (الاحزاب:33)
[2] (فتوحات مکیہ، ج:1، ص:298، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)
[3] (الفتح:2)
[4] (فتوحات مکیہ، ج:1، ص:298، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)
[5] (ایضاً)

شرف کا حکم دارِ آخرت میں ظاہر ہو گا اس لئے کہ وہ بخشے ہوئے اٹھائے جائیں گے۔

اہل بیت کی عظمت اور شان کمال ہے:

شیخ ابن العربی اہل بیت پاک کی عظمت و رفعت کا ایک منفرد پہلو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و ینبغی لکل مسلم مؤمن باللہ بما انزلہ ان یصدق اللہ تعالی فی قولہ "اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا"

اور ہر مسلمان کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ اس حکم کی تصدیق کرے، "اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا"[6]

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔

اور مومن کو چاہیے کہ اہل بیت کرام سے صادر ہونے والے تمام امور میں یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے اور کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے ساتھ مذمت اور برائی کو ملائے اور اسے عیب لگا کر اس سے رخ پھیر لے جس کی طہارت اور اس کے گناہوں کو دور کرنے کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی ہو اور یہ اعزاز اس عمل کے ساتھ نہیں جو انہوں نے کیا اور نہ کسی کی خیر اور بھلائی کی بنا پر ہے جو انہوں نے کی ہے بلکہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عنایت نے سبقت کی ہے"۔[7]

کسی صورت ہی اہل بیت کی برائی بیان نہیں کر سکتے:

شیخ الاکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:

"آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل بیت کی قدر و منزلت بیان ہو چکی ہے اس کے بعد مسلمانوں کو حق نہیں پہنچتا کہ ان سے واقع ہونے والے امور پر ان کی مذمت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکیزہ فرما دیا ہے پس ان کی مذمت کرنے والے کو جان لینا چاہیے کہ یہ مذمت کرنا اسی کی طرف لوٹ آئے گا"۔[8]

اہل بیت کی محبت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا:

شیخ الاکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:

اگر آپ کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ محبت درست ہے تو آپ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت کرام سے محبت کریں گے اور ان سے اپنے حق میں صادر ہونے والے ہر اس امر کو جو آپ کی طبیعت اور غرض کے موافق نہیں خوبصورت دیکھیں گے اور ان سے جو کچھ آپ کے حق میں (یعنی آپ کے خلاف) واقع ہو گا تو اسے نعمت خیال کریں گے، پس اس وقت آپ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے لئے لطف و عنایت کیا ہے؟ یہ اس لئے کہ آپ اہل بیت کرام سے محبت کرتے تھے نیز یہ کہ آپ جس سے محبت کرتے ہیں وہ آپ کو یاد کرتا ہے اور اس کے دل میں آپ کا خیال ہوتا ہے تو یہ حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت کرام ہیں جو آپ کو آپ کی محبت کی وجہ سے یاد رکھتے ہیں۔ (تو اہل بیت پاک کا آپ کو یاد کرنا یہ نعمت الٰہی ہے) پس اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ وہ اپنی ان پاک زبانوں کے ساتھ آپ کو یاد کرتے ہیں جن کی تطہیر اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور آپ کا علم اس طہارت اور پاکیزگی تک نہیں پہنچ سکتا"۔[9]

اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا ایمان کی کمی کی دلیل ہے:

جب ہم آپ کو اس حالت کے مخالف دیکھتے ہیں، باوجود اس کے کہ آپ اہل بیت کرام کے محتاج ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حقوق کی ہدایت کی ہے کہ ہم تمہاری محبت کی کیسے توثیق کر دیں کہ جو تمہارے گمان میں میرے ساتھ شدید محبت اور میرے حقوق یا میری جانب کی

---

[6](الاحزاب:33)
[7](فتوحات مکیہ، ج:1، ص:298، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)
[8](ایضاً، ص:299)
[9](ایضاً، ص:300)

رعایت کرنا ہے جب کہ تم اپنے نبی (ﷺ) کی اہل بیت کے حق میں اس صورت میں ہو جو تم میں واقع ہوتی ہے، (آپ کو معلوم ہے کہ یہ کس وجہ سے ہوتی ہے)

"والله ما ذالك الا من نقص ايمانك و من مكر الله بك واستدراجه اياك من حيث لا تعلم"[10]

خدا کی قسم! یہ تمہارے ایمان کی کمی ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اور استدراج کی گرفت میں ہو اور تمہیں اس کا علم نہیں۔

"الا المودۃ فی القربیٰ" کا تقاضا:

شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:

اہل بیت کرام سے کیسا سلوک کرنا چاہیے؟ تو جب ہمیں کسی کی بھی مذمت کا حق نہیں پہنچتا تو اہل بیت کی مذمت کیسے جائز ہو گی؟ جب ہم اپنے حقوق کے طلب کرنے پر اتر آتے ہیں اور اُن سے اس میں در گذر کر لیتے ہیں یعنی اس میں جو ہمیں جو تکلیف پہنچی تھی تو اس کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک ہمارے لئے عظیم قربت کی جگہ ہے کیونکہ حضور نبی اکرم (ﷺ) نے ہم سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے امر سے کچھ مطالبہ نہیں فرمایا مگر اپنے اقربا کی محبت و مودت کی طلب اور اس میں صلہ رحمی کا راز ہے۔

اور جو شخص اپنے نبی اکرم (ﷺ) کا وہ سوال قبول نہیں کرتا جس سوال کو پورا کرنے پر قادر ہے تو وہ کل قیامت کے دن کس منہ سے آپ سے ملاقات کرے گا یا آپ کی شفاعت کی اُمید رکھے گا، اور جس نے حضور نبی اکرم (ﷺ) کی طلب کردہ اپنے قرابت داروں کی مؤدت کا حق ادا نہیں کیا، تو وہ آپ کے اہل بیت کرام کی مؤدت کا حق کیسے ادا کرے گا؟

اہل بیت کرام آپ (ﷺ) کے خاص اقرباء ہیں پھر آپ نے لفظِ مودت ارشاد فرمایا ہے اور یہ محبت پر ثابت قدم رہنا ہے کیونکہ جب کسی امر میں مودت ثابت ہو گی تو وہ ہر حال میں اس کے ساتھ ہو گی اور جب ہر حال میں مودت اس کے ساتھ ہو گی تو اہل بیت سے اپنے اس حق کا مواخذہ نہیں کر سکتا جو اس کے حق میں ان کی طرف سے طاری ہوا ہو گا اور وہ اپنے مطالبے کو محبت اور ذاتی ایثار کی وجہ سے چھوڑ دے گا"۔[11]

مسلمان کی ذمہ داری؟

شیخ الاکبر ابن العربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:

"(ہر) مسلمان کا حق ہے کہ اس پر اہل بیت کرام کی طرف سے جو تمام امور اس کے جان و مال اور اہل و اقرباء کے سلسلہ میں طاری ہوں (یعنی اس کے خلاف واقع ہوں تو) ان تمام کو تسلیم و رضا اور صبر کے ساتھ قبول کرے اور ان کے ساتھ ہرگز ہرگز مذمت اور برائی کو ملحق نہ کرے"۔[12]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شخص اہل بیت کی محبت کی کمی کو ایمان کی کمی قرار دے، جو اہل بیت کو عین الطھارت قرار دے جو اہل بیت کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دے اور کسی اہل بیت کی برائی کرنے کی اجازت ہی نہ دے، جو اہل بیت کی محبت پر اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم کرے اور جس کو اہل اللہ، اللہ کی آیت قرار دیں۔ اس عظیم شخصیت کے فیض کا تسلسل قیامت تک رہے گا، شیخ الاکبر محی الدین حضرت ابن عربی علیہ الرحمہ کی تعلیمات اُمت کیلئے ہدایت کا روشن چراغ ہیں جن سے دلوں کی ظلمت مٹتی ہے اور دل نورِ محبت و معرفت سے جگمگا اٹھتے ہیں۔

☆☆☆

[10] (ایضاً)

[11] (الفتوحات المکیہ، ج:1، ص:299)

[12] (ایضاً، ص:300)

مدحتِ سیدالشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ

مری حسینؓ سے نسبت ہے، میں حسینی ہوں
حسینؓ آیۂ مدحت ہیں، میں حسینی ہوں

حسینؓ دین کے وارث، حسینؓ پور بتول
حسینؓ دین کی دولت ہیں، میں حسینی ہوں

ردا و چادر زہرا کا پاس کرتی ہوں
مجھے عزیز یہ حرمت ہے، میں حسینی ہوں

لبوں پہ نعرۂ تکبیر و حیدری دائم
مجھے علیؓ سے ارادت ہے، میں حسینی ہوں

بھرے ہیں میرے خزانے کوئی کمی ہی نہیں
یہ اہل بیت کی برکت ہے میں حسینی ہوں

بدون سر بہ رہ عشق می رود شبیر
یہی وفا کی حقیقت ہے میں حسینی ہوں

لٹا کے سارا گھرانہ وہ جنگ جیت گیا
حسینؓ کی یہی ندرت ہے، میں حسینی ہوں

ہر اک یزید کا سر کاٹ پھینکتی ہوں میں
یہ میرے دین کی طاقت ہے میں حسینی ہوں

میں پنجتن کے غلاموں کی خادمہ زریں
یہ چاکری بھی سعادت ہے میں حسینی ہوں

یہ افتخار ہے زریں فقط مجھے حاصل
ہر ایک شعر عقیدت ہے میں حسینی ہوں

ڈاکٹر عظمیٰ زرین نازیہ

نذرانۂ عقیدت

دربارگاہِ سیدالشہداء امام حسینؓ

جہانِ صبر کا ہر فلسفہ حُسینؓ کا ہے
کسے خبر ہے کہ کیا مرتبہ حُسینؓ کا ہے

جو حق شناس ہیں چلتے ہیں جان و دل لے کر
وہ اس لئے کہ جُدا راستہ حُسینؓ کا ہے

یزید کا کوئی نام و نشان تک نہ رہا
زمانہ اب بھی مگر آشنا حُسینؓ کا ہے

یہ اہلِ عشق سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں
مقام عقل سے بھی ماوراء حُسینؓ کا ہے

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کا پُرسہ بھلا نہیں سکتے
جو اہلِ غم ہیں انہیں آسرا حُسینؓ کا ہے

تمام عالمِ انسانیت میں چرچا ہے
عرب حُسینؓ کا ہے قونیہ حُسینؓ کا ہے

کوئی ہو عہد، بھلے کوئی بھی زمانہ ہو
یزیدیت کو رضاؔ سامنا حُسینؓ کا ہے

شاعر: مستحسن رضا جامی

www.mirrat.com

عالمی معیار کی
ویب سائٹ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(اقبال)

ماہنامہ
مراۃ العارفین
انٹرنیشنل
لاہور

ملکی اور بین الاقوامی حالات، پاکستان اور عالم اسلام کو درپیش چیلنجز، تصوف، ادب،
معاشرت اور ثقافت جیسے دیگر اہم موضوعات پہ علمی و تحقیقی مضامین

مراۃ العارفین انٹرنیشنل اردو کا ماہانہ تحقیقی مجلہ ہے۔
مذکورہ ماہنامہ کا نام سید الشہداء نواسہ رسول حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ)
کی ایک عظیم تصنیف مراۃ العارفین پر رکھا گیا ہے۔

www.mirrat.com
تازہ ترین اور گزشتہ میگزین کے مطالعہ کیلئے وزٹ کریں

www.alfaqr.tv
YouTube
CHANNEL
www.youtube.com/AlfaqrTv
علمی، فکری اور تربیتی خطابات اور لیکچرز دیکھنے کیلئے
Alfaqr.Tv
Official video channel of Islahee Jamaat & Aalmi Tanzeem-ul-Arifeen.
A DOCUMENTARY FILM ON
SULTAN UL FAQR 6TH HADRAT SAKHI SULTAN MUHAMMAD ASGHAR ALI SAHIB
عارفانہ کلام
حضور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت اور عقیدت
18 videos
محبت الٰہی کے حصول کے لیے
محبتِ حسین
کلام باھُو میں روح اور جسم کی وضاحت
صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب
www.facebook.com/SSultanAhmadAli/
یومِ شہادت
امیر المومنین سیدنا
علی المرتضیٰ
تعلیماتِ غوث الاعظم
45 videos
تعارف امام المحدثین والمتصوفین
امام النووی
78 videos
طاقتور اقوام کی کامیابی کا راز
پاکستانی یوتھ کو کیا کرنا چاہیے؟
SECRET BEHIND THE SUCCESS OF POWERFUL NATIONS
55 videos
الفقر ٹی وی ویب سائیٹ اور
یوٹیوب چینل وزٹ کریں